فکر و نظر............ اسلام آباد   جلد: ۴۸   شمارہ: ۴

سید ہجویرؒ کے پیرومرشد کشف المحجوب کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر☆

سید ہجویر حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے پیرو مرشد شیخ ابوالفضل ختّلی شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم علمی و روحانی شخصیت ہیں۔ ان کی زندگی کے حالات اور روحانی تجربات و تعلیمات کا مطالعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ مفید و سبق آموز بھی ہے، وہ ایک مسلّم مفسر قرآن اور مستند عالم حدیث(۱) بھی تھے بلکہ ان کا شمار ثقہ و معتبر راویان حدیث(۲) میں ہوتا ہے لیکن سردست ان کے سوانح حیات اور تعلیمات کے متعلق ہمارا یہ مطالعہ صرف داتا پیرؒ کی کشف المحجوب کے صفحات تک ہی محدود رہے گا اور یہا ں ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ خود مرشد لاہور نے اپنے شیخ طریقت اور پیر و مرشد کے احوال کو کس رنگ میں پیش کیا ہے اور ان کی روحانی تعلیمات اور عارفانہ تجربات و مشاہدات کے کون کون سے پہلو اجاگر کر کے طالبان حق اور متلاشیانِ عرفان کے لیے کیا کیا سامان کر دیا ہے۔

یہ بات تو کسی وضاحت و تصدیق کی محتاج نہیں کہ مرشد لاہور کا شہرہ آفاق اور زندہ جاوید علمی کارنامہ یعنی کشف المحجوب محض ایک خوبصورت صحیفۂ تصوف ہی نہیں بلکہ اسلامی شریعت کے اہم احکام و مسائل پر مدلل اورتسلی بخش بحث و گفتگو کا ایک گلدستہ بھی ہے جس میں کتاب و سنت فقہ و کلام اور ذکر وفکر کے نہایت اہم گوشوں کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے مگر اندازبیان اس قدر آسان اور عام فہم ہے کہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر قاری اس میں اپنے لیے اطمینان بخش روحانی غذا پاتا ہے، اپنا ایمان تازہ کرنے کے ساتھ ساتھ سلوک کی منازل کے لیے رہنمائی کا سامان بھی کرسکتا ہے اور یوں حضرت نظام الدین اولیاء دھلوی رحمۃاللہ علیہ کی یہ بات مانے بغیر چارہ نہیں پاتا کہ جسے مرشد کا مل نہ مل سکے اس کے لیے حضرت داتا پیر کی کشف المحجوب(۳) ہی کافی ہے، یہی نہیں بلکہ یہ عظیم القدر تصنیف ایک تذکرۂ اولیاء اللہ بھی ہے جو صحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے عہد مبارک سے لے کر سید ہجویرؒ کے زمانے تک کے اولیا ئے کرام اور مشائخ عظام کے ذکر خیر پر مشتمل ہے، ان بزرگان سلف اور ائمہ تصوف و طریقت میں سے ایک حضرت ابو الفضل(یا ابوبکر؟)(۴) محمد بن الحسن ختّلی شامی رحمۃاللہ علیہ یعنی داتا صاحب کے پیرو مرشد بھی ہیں۔

☆ پروفیسر ایمرٹس، سیّد علی ہجویری چیئر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.   http://iri.iiu.edu.pk/

کشف المحجوب میں حضرت خُتلیؒ کے ذکر خیر کے لیے داتا پیرؒ نے ایک مستقل فصل بھی مختص کی ہے اور ہم یہاں اس فصل کا مطالعہ بھی ضرور پیش کریں گے تاہم یہاں ہم ان بکھری ہوئی معلومات کو بھی سمیٹیں گے جو کتاب کے مختلف ابواب میں کسی سمندر کے موتیوں کی طرح جابجا پھیلی ہوئی ہیں اورجن سے مصنف نے اپنی کتابِ مستطاب کو سجایا اور اس کی اہمیت و افادیت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے، مرشد لاہور کا یہ علمی وفکری کارنامہ بلامبالغہ ایک بحرِ زخار ہے جس نے اپنے ایڈٹ کرنے والوں اور مترجمین کو بھی عاجز کر دیا ہے چنانچہ آج تک نہ تو کوئی داتا پیر کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اس سمندر کو صحیح معنی میں ایڈٹ کر سکا ہے اور نہ کوئی مترجم مکمل اور آسان ترجمہ پیش کر سکا ہے: کشف المحجوب بھی ایک اور قابل فخر لاہور سے تعلق رکھنے والے عالم حضرت امام حسن صغانی لاہوری کی کتابِ لغت ''العُباب الزاخر'' (ٹھاٹھیں مارتاہوا سمندر) کی طرح ہے جس کے دو ایڈیشن چھپ توچکے ہیں مگر تا حال اہل علم کی تشنگی باقی ہے!

اپنے پیر و مرشد کے متعلق مرشد لاہور کے ان متفرق اقوال و آراء کو موتی کہنا کوئی مبالغہ یا خالی عقیدت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تمام اقوال و آراء اور واقعات و حکایات واقعی حکمت بھرے موتی اور جواہر ہیں جو ایک نعمت غیر مترقبہ کے زُمرے میں آتے ہیں! حضرت داتا صاحب کے یہ موتی اور جواہرات ان کے عظیم القدر مر شد و معلم کے لیے اس احترام و اکرام اور عقیدت و محبت کے بھی آئینہ دار ہیں جو مرید و شاگرد کو ہمارے لیے ایک مثالی مرید وتلمیذ کے روپ میں پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کے شیخ و استاذ کو بھی بڑے پر کشش اور دل آویز انداز میں ہمارے سامنے لاتے ہیں، یوں یہ موتی گویا مرشد و مربی اور مرید وتلمیذ دونوں کو ہمارے لیے محبوب ومحترم بنا دیتے ہیں اور یہ ہر زمانے کے استاذ و شاگرد اور مرشد و مرید کے باہمی تعلقات کے لیے ایک عبرت آموز ہدایت اور مفید سبق کا بھی کام کر تے رہیں گے کیونکہ تعلیم عبارت ہے معلم، متعلم اور علم سے، یہ علم صرف قرطاس وقلم کا قیدی ہی نہیں ہوتا بلکہ معلم کے سینے اور دل و دما غ میں بھی ذخیرہ ہو سکتا ہے اس لیے قرطاس وقلم کا نتیجہ یعنی کتاب تو ایک اضافی چیز ہے اس لیے اصل میں توعلم اورتعلیم کی دنیا صرف معلم ومتعلم ہی کی محتاج ہوتی ہے، یہ معلم ومتعلم اگر حضرت خُتلی اور حضرت داتا جیسے ہوں توپھر کشف المحجوب جیسے معجزات ظہور میں آتے رہتے ہیں۔

اس حقیقت سے تو سب اہل علم آگاہ ہیں کہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کا زمانہ وہ وقت ہے جب قافلہ اسلام نے مشرق و مغرب کوعلم و معرفت اور اسلامی اخوت و مساوات کے پیغام سے

چونکا دیا تھا اور اس انسان دوست تمدن کے خلاف مفاد پرستوں کے شدید ردِعمل نے زمین کے چاروں کونوں کو ہلاکر رکھ دیا تھا! تاریخ اسلام کی یہ دونوں صدیاں اسلام کی عظمت و سربلندی کی صدیاں ہونے کے علاوہ خلافت اسلامیہ کی جغرافیائی وسعت اور مسلمانوں کے غلبہ اور رعب و جلال کا زمانہ بھی ہے اور یہی دو صدیاں سید ہجویرؒ اور مرشد لاہورؒ کی دو صدیاں بھی ہیں!۔ (۵)

اس میں تو دو رائیں نہیں ہوسکتیں کہ خیرالقرون (بھلے اوقات، نیک زمانے اور تاریخ کا سب سے اچھا دور) تو عہد نبوی علی صاحبہ السلام اور عہد خلافت راشدہ ہی ہے لیکن ہم بات کر رہے ہیں مسلمانوں کے سیاسی غلبہ و اقتدار اور حدود مملکت کی وسعتوں کی، اس دور میں اسلامی خلافت کے دارالحکومت بغداد کو وہی حیثیت یا مقام حاصل تھا جو شاید آج کے واشنگٹن کو نئی دنیا میں حاصل ہے، اس زمانے کے یورپ اور ایشیا کے تاجدار سب کے سب بغدادمیں عباسی خلیفہ اور اندلس یا ہسپانیا کے قرطبہ میں اموی خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر اور اس کے فاضل بیٹے حکم المستنصر کا دم بھرتے تھے اور ان کی خوشنودی کے طالب رہتے تھے(۶)! ادھر برصغیر میں عربوں کی فتوحات سندھ و ہند اور ان کے بعد محمود غزنوی کی فتوحات بھی اسلام کے کچھ زیادہ کام نہ آئی تھیں۔ تاہم یہ ضرور ہوا تھا کہ سندھ اور ملتان میں قرامطہ جیسے مفسدین کا قلع قمع کرنے اور مسلمانوں کی دھاک بٹھانے میں غزنوی کی بت شکنی ضرور کام آئی تھی مگر بتکدہ ہند میں شجرہ اسلام کا ابھی بیج نہیں بویا جا سکا تھا کیوں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں–صوفیوں اور اولیاء اللہ کے لیے مقدر کر دیا تھا! اگر محمدشاہ تغلق دلی میں چشتی بزرگوں کے مرکزی نظام کو بدنظمی کی نذر کرنے کی نادانی نہ کرتا تو اولیائے کرام اور مشائخ عظام اپنی شفقت و رواداری اور اسلامی اخوت و مساوات کی دعوت حق سے برصغیر کومسلم اکثریت کا خطہ بنا دیتے۔(۷) اصحاب تصوف و طریقت اور اولیاء اللہ کے اس کاروان حق کے قائد اور پیش رو حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری تھے جنہیں ہم عقیدت اور پیار سے داتا پیرؒ، داتا گنج بخشؒ، سیدہجویرؒ اور مرشد لاہورؒ کے القاب سے یاد کرتے رہتے ہیں بتکدہ ہند میں شجرہ اسلام کا بیج بونے اور اسے پروان چڑھانے میں ان کا بنیادی کردار ہے بقول علامہ اقبال(۸): ''**درزمین ہند تخم سجدہ ریخت**''(یعنی بتکدہ ہندوستان میں انہوں نے شجرہ اسلام کا بیج بویا)بلکہ اسے پروان بھی چڑھایا، یوں مرشد لاہور نے اپنی اس نگری کو اسلامی لاہور بنادیا اور ایسا بنایا کہ آج بھی لاہور اپنے اسلامی کردار کے ساتھ زندہ و پائندہ ہے!(۹) انھی ہل چل کی صدیوں کے دوران میں حضرت داتا پیرؒ سمیت اولیاء کرام نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے سفیر اور مبلغ بن کر پھیلتے اور اسلامی اخوت و مساوات، محبت اور رواداری کا پیغام عام کرتے نظر آتے ہیں، اسلام کے اسی زمانہ عزت و عروج میں مرشد لاہور بھی اپنے

مرشد اور مربی حضرت خُتّلی شامی کے ہمرا ہ بطور سفیر اسلام اور اسلامی اخوت و مساوات کے علمبردار کے اپنا تاریخی بلکہ تاریخ ساز کردارادا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں!

حدیث نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کی رو سے سیاحت کو جہاد کہا گیا ہے، خصوصاً جب یہ سفر پیام حق پہنچانے، خلقِ خداکی بھلائی کا کام کرنے اور علم کے حصول کے لیے ہو، قرآن کریم میں بھی سیر و سیاحت کا حکم ہے، خصوصاً روئے زمین میں قدرت ربانی کی کرشمہ سازیوں اور آثارِ رحمت و نعمت کے مشاہدے اور ماضی کے نافرمانوں اور فساد فی الارض کی مرتکب اقوام و افراد کے انجام بد کی نشانیاں دیکھنے اور ان سے عبرت پکڑنے(۱۰) کے لیے، امت کے باقی گروہوں نے ان اسلامی احکام پر عمل کیا یا نہیں کیا اور کیا تو کیسے کیا؟ اس سے یہاں بحث نہیں ہے لیکن ایک حقیقت روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے کہ ان بندگان حق نے ان احکام پر بھی حرف بحرف عمل کیا جنھیں اہل تصوف و طریقت اور اولیاء اللہ کے اسماء و القاب سے یاد کیا جاتاہے اللہ کے ان بندوں کے نزدیک یہ سارا جہاں دیکھنے، قدرت ربانی کے کرشموں سے عبرت پکڑنے اور تمام دنیا میں چل پھر کر ایمان افروزی اور روح پروری کا سامان کرنے کے قابل ہے یہ بزرگ بھی طارق بن زیادکی زبان سے کلام اقبال کو اپنے لیے حجت اور رہنما سمجھتے ہیں کہ، ''*ہر ملک ملکِ ما است کہ ملکِ خدائے ما است*''(۱۱) چنانچہ دیگر اربابِ تصوف و طریقت کی طرح حضرت شیخ ابوالحسن علی بن عثمان جُلابیِ ہجویری، غزنوی، لاہوری اور ان کے پیر و مرشد حضرت ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی، رحمھما اللہ، بھی کشف المحجوب کی روشنی میں ان احکام سیر و سیاحت پر پوری طرح عمل پیرا نظرآتے ہیں! پیر و مرید اور استاذ و تلمیذ دونوں عالم اسلام کی سیاحت کے لیے رواں دواں نظرآتے ہیں اور حصول علم و عبرت اور خلق خدا کی خیرخواہی میں سرگردان ہیں، بلاد عرب و عجم میں مرشد و مربی اور مرید و تلمیذ کے ان اسفار کی جھلکیاں کشف المحجوب کے صفحات میں بکھری پڑی ہیں! کتاب کی ورق گردانی سے پتہ چلتاہے کہ حضرت داتا صاحب کو جنیدی سلسلۂ طریقت سے گہرا لگاؤ ہے اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب میں سلسلہ جُنیدیہ کے بزرگوں کا کثرت سے ذکر فرمایا ہے، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃاللہ علیہ کے ذکر کا تکرار تو سب سے زیادہ معلوم ہوتاہے، ان کے بعد اپنے مرشد کے مرشد حضرت حصریؒ اور پھر حضرت خُتّلیؒ کا ذکر بھی کثرت سے کیا ہے، اس ذکر مکرر سے اندازہ ہوتاہے کہ مرشد لاہورؒ علیہ الرحمہ کو اپنے سلسلہ کے بزرگوں سے کتنی عقیدت ہے، وہ حضرت خُتلی کا ذکر بڑی محبت سے اور انتہائی احترام سے کرتے ہیں اور ان کا نام لینے کے بجائے ''شیخ من'' (میرے مرشد) یا شیخم (میرے پیر) اور ''حضرت شیخ ''کے الفاظ سے تذکرہ کرتے ہیں، اپنے شیخ کے حضور ادب و احترام کے ساتھ بیٹھتے

اور یا شیخ اور ایہا الشیخ کے الفاظ سے مخاطب ہوتے ہیں، حضرت داتا صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ بلاد عرب و عجم کی سیاحت بھی کی ہے اور یہ مشترکہ اسفار سب سے زیادہ دلچسپ معلومات اور رہنمائی کے حامل ہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ استاذ و شاگرد اور مرشد و مرید ایک دوسرے سے کتنا گہرا تعلق رکھتے ہیں اور عقیدت و احترام کی حدود کیا ہونا چاہئیں!

سید ہجویرؒ اور حضرت ختّلی کے یہ مشترکہ اسفار بلاد عرب و عجم قرآن کریم میں مذکورحضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مشترکہ سفر کی یاد دلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں گویا ان دوبزرگوں کے سفرکوتعلیم و تربیت کے آداب کا ایک غیر فانی مگر عبرت آموز مصدر و مرجع بنا دیا ہے، یوں لگتا ہے کہ حضرت داتا صاحب اس سفر سے شعوری طور پر رہنمائی لیتے ہوئے اپنے شیخ سے سوال کرتے ہیں اور انہیں اس حدیث نبویؐ کا بھی عملی شعور ہے جس میں فرمایا گیا ہے **السوالُ نِصُفُ العلم** یعنی سوال کرنے کا سلیقہ بھی آدھے جواب یا علم کا آئینہ دار ہوتا ہے! یہی نہیں بلکہ وہ تو ان آداب علم سے بھی آگاہ ہیں جن کا ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایک قول میں آیا ہے اور جو کوزے میں دریا بند کرنے کے مترادف ہے فرمایا گیا: **سَلْ تَفَقُّهاً ولاَ تَسأل تعَنُّتاً** ''یعنی سوال کرو تو بات سمجھنے اور علم کی تشنگی بجھانے کے لیے کرو، سرکشی دکھانے یا اپنے علم کی شوخی بگھارنے بلکہ استاذ کا امتحان لینے کے لیے مت کروٗ' ہمارے شیوخ و مریدین اور استاذ و شاگرد کو قرآن کریم میں مذکور قصہ موسیٰ و خضر علیہما السلام کو کشف المحجوب میں مذکور آداب علم و عرفان کے ساتھ ملا کر اپنے ہاں کی تعلیم و تربیت کے نصاب و آداب کا حصہ اور مصدر بنانا چاہئے!!

حضرت ابوالفضل محمد الخُتّلی الشامی رحمۃاللہ علیہ اصلاً بلاد عجم (یعنی خُتّل یا بلاد ختّلان) سے تھے مگر وہ اسلام کی بدولت، اخوت و مساوات اسلامی پر ایمان لاکر بلاد عرب (ملک شام)میں جا بسے تھے جبکہ حضرت داتا صاحب سید ہجویرؒ اصلاً عرب تھے اور سادات بنو ہاشم میں سے تھے مگر اسی دین اسلام کے عقیدہ و حدت نسل انسانی اور اخوت و مساوات کی بنیاد پر ان کے بڑوں نے ہجرت کر کے آخرکار شہر غزنی (غزنین) کے محلّہ جُلاب اور ہُجویر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یوں رنگ و نسل اور علاقہ پرستی کے غیر انسانی فکر اور رویہ کی جڑ کٹ گئی بلکہ ایک غیر عرب شامی عرب بن گیا اور عرب و عجم کے تمام مسلمانوں کا مسلّم پیر و مرشد اورمعلم و استاذ بھی ہو گیا جبکہ ایک سید زادہ عرب نے بلاد عجم کا باشندہ بن کر ایک اصلاً غیر عرب کا شاگرد و مرید بننے میں فخر محسوس کیا یہ سب کچھ برکت تھی دین اسلام کی جس نے ایک ہی ضرب کاری سے رنگ و نسل کی جڑ کاٹ دی اور ایک ہی آدم کے فرزندوں کو بھائی بھائی تسلیم کروایا اور وہ وحدت کی ایک ہی لڑی میں پرو دیے گئے!

جب نور علم سے منور ہونے اور روحانی تربیت پانے کی تشنگی اور ضرورت محسوس کی تو سیر و سیاحت کے قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے عرب و عجم کے علمی و روحانی مراکز سے ہوتے ہوئے سید ہجویرؒ ملک شام جا پہنچے(۱۲) اور عظیم ملک شام کے گوشے گوشے میں گئے اور نور علم و ہدایت کی ہر شمع پر پروانہ وار نچھاور ہوتے رہے اور بالآخر ایک ایسی ہستی کو اپنا شیخ و مرشد اور معلم و مربی مان کر بیٹھ گئے جو نسلاً اور اصلاً عرب نہ تھے۔ شام میں اپنے مرشد و مربی کے حضور بارہا حاضری دی اور جتنی مدت چاہا ان کے حضور میں حاضر رہے حتی کہ مرشد کے دم واپسین کے وقت بھی وہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر تھے اور مرشد و معلم کا سر اپنے شاگرد و مرید کی گود میں تھا(۱۳) مرشد و مرید اور شاگرد و استاذ کے درمیان کتنے پختہ و پاکیزہ رشتے تھے؟ قلبی لگاؤ اور عقیدت و احترام کی کیا حدود تھیں یہ رشتے اور یہ لگاؤ آج کے شیوخ و مریدین اور معلمین و متعلمین کے لیے بھی ایک معروضی سبق ہے! کبھی کبھی مرشد و معلم اور مرید و متعلم دونوں ایک ساتھ بلاد عرب و عجم کی سیاحت کے لیے بھی نکلتے تھے مرشد و معلم اپنے پرانے وطن جبکہ مرید و متعلم اپنے نئے وطن کی سیر و سیاحت کے لیے اسلام کے سفیر و مبلغ بن کر بھی رواں دواں ہو جاتے تھے مگر کبھی اس کے برعکس مرید و شاگرد اپنے پرانے وطن یعنی بلاد عرب اور پیر و مرشد اپنے نئے وطن کی سیاحت کے لیے بھی نکلتے تھے جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے!!(۱۴)

سید ہجویر شیخ ابوالحسن علی بن عثمان جُلابی المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ ایک عالم باعمل اور پابند کتاب و سُنت صوفی تھے، انہوں نے ہر حال میں اور ہر قدم پر شریعت کی پابندی کی اور اس تصوف یا طریقت کو الحاد اور زندیقیت قرار دے کر مسترد کر دیا جو کتاب و سنت سے بے نیاز یا متصادم تھی، یہی مسلک تصوف سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا اور چونکہ حضرت داتا صاحب کے مرشد حضرت خُتلی رحمۃ اللہ علیہ بھی صرف دو واسطہ (حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصریؒ اور شبلیؒ کے واسطہ) سے حضرت جنیدؒ کے مرید اور پیروکار تھے اس لیے حضرت داتا صاحبؒ نے بھی صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ میں تصوف اور طریقت میں سلسلہ جنیدیہ سے وابستہ ہوں(۱۵) سیر و سیاحت چونکہ کتاب و سنت کی رو سے مسلمان کے لیے ضروری بھی ہے اور مفید بھی اسی لیے راسخ العقیدہ اور پابند شریعت صوفیوں کا بھی یہی معمول رہا ہے کہ وہ اللہ کی زمین میں پوشیدہ اور ظاہر قدرت کی کرشمہ سازیوں کا مشاہدہ کرنے، عبرت و نصیحت پکڑنے اور اپنا ایمان تازہ اور پختہ رکھنے کی غرض سے سیر و سیاحت کے لیے نکلتے تھے، دنیائے انسانیت کو اسلامی وحدت، اخوت اور مساوات کی دعوت دیتے اور

خلق خدا کے کام آتے تھے، حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ بھی اس اصول پر عمل پیرا تھے حصول علم و معرفت اور عظمت خداوندی کا عملی مشاہدہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنا ان کا معمول تھا، انہوں نے اپنے ان اسفار کو اپنی کتاب کشف المحجوب میں درج کیا ہے۔

سیر و سیاحت کے انفرادی اسفار کے ریکارڈ سے تو ان کی کتاب لبریز ہے مگر اپنے ہم مسلک صوفیوں خصوصاً اپنے پیر و مرشد حضرت ختلیؒ کے ہمراہ ان کے مشترکہ اسفار بھی بے شمار ہیں یہاں ہماری توجہ اصل میں تو صرف آخری قسم کے اسفار پر مرکوز رہے گی، لیکن کسی ایک آدھ انفرادی سفر کا تذکرہ کرنے اور اس پر تبصرہ کرنے میں بھی کوئی حرج یا قباحت نہیں ہوگی خصوصاً جب یہ سفر ہمارے اس موضوع سے گہرا ربط بھی رکھتا ہو!

حضرت سید ہجویریؒ کی کشف المحجوب کے علاوہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے تاریخی مصادر، خصوصاً بغداد اور دمشق کی تاریخی روایات کی ورق گردانی کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ اور ان جیسے دیگر اصحاب تصوف و طریقت بلاد عرب و عجم بالخصوص عراق و شام میں اپنی روحانی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ علوم و معارف سے اپنے دامن بھرنے کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے۔ صوفیائے کرام کی خصوصی دلچسپی حدیث نبویؐ اور سیرت طیبہ تھی چنانچہ ان صوفیوں میں سے اکثر مستند و معتبر راویان حدیث شمار ہوتے تھے اور دمشق و بغداد بلکہ شام و عراق کے دیگر علمی و ادبی مراکز کے علمائے حدیث حتی کہ شیخین و صحاح ستہ کے مؤلفین بھی ان بندگان حق کی روایات کو دل سے قبول کرتے اور اپنی کتب حدیث کو ان کی روایات سے سجاتے تھے، مرشد لاہور کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلیؒ بھی ان محدثین صوفیہ میں شامل ہیں اور وہ اپنے وقت میں شام کے مسلم الثبوت مفسر و محدث تھے۔ (١٦)

حضرت داتا صاحبؒ کا تعارف و ملاقات شام کے اعلام علم و تصوف سے زیادہ رہتی تھی اور اپنے پیر و مرشد کے علاوہ شام کے اہل علم و فضل سے وہ بہت زیادہ مستفید ہوئے، یہی وجہ ہے کہ بغداد کی نسبت دمشق سے ان کا انس و محبت کافی زیادہ تھی، وہ بسا اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات سے جو تسکین محسوس کرتے تھے وہ انہیں ذکر اللہ اور درود و دعا کے علاوہ بیٹھے بیٹھے نیند کے آغوش میں بھی لے جاتی تھی (حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو خواب انہوں نے دیکھا تھا وہ بھی دمشق میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر دیکھا تھا) دمشق و شام سے ان کے انس و محبت کی یہ روشن دلیل ہے اور اندازہ ہوتاہے کہ وہ دمشق اور اہل دمشق سے بے حد مانوس تھے اور اس میں ان کے اپنے مرشد حضرت ختلیؒ کی عقیدت و محبت کو بھی یقیناً بڑا دخل تھا۔

مرشد لاہورؒ ایک جگہ (۱۷) لکھتے ہیں کہ میں شام کے خوبصورت شہر دمشق میں اپنے بعض نوجوان دوستوں کے ساتھ حلقہ دراویش میں محو گفتگو تھا، احباب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شام (اور اب فلسطین) کے شہر رملہ یا رام اللہ چلتے ہیں، یہ اس وقت شام کا ایک دور افتادہ دیہاتی سا قصبہ تھا اور دمشق سے کافی فاصلہ پر تھا مگر یہ ایک علمی اور روحانی مرکز تھا، دمشق کے اہل ذوق مقیم و مسافر سب باشندوں کے لیے اس میں بڑی کشش تھی، سب لوگ جوق درجوق اس کی زیارت کے لیے کھنچے چلے آتے تھے، یہاں کی علمی و روحانی درسگاہ کے متولی اور سر پرست شیخ ابن العلاء تھے جو رام اللہ کے صوفی اور محدث تسلیم کیے جاتے تھے، ان کے فرزند زکی ابن العلاء بھی اپنے والد کے صحیح علمی و روحانی وارث و جانشین مانے جاتے تھے (حضرت داتا صاحب ان دونوں باپ- بیٹے سے- متعارف اور ان سے مستفید ہوتے رہتے تھے!) ایک مرتبہ مرشد لاہور سمیت تین ساتھی دراویش شیخ ابن العلاء کی خدمت میں حاضری کے لیے دمشق سے روانہ ہوئے حضرت شیخ صاحب کشف و کرامات اور ولی اللہ مشہور تھے، تینوں ساتھیوں نے طے کیا کہ ہر ایک اپنے دل میں ایک خواہش یا مقصد رکھ لے، ہم دیکھیں گے کہ وہ ہم تینوں کے دل کی بات سے بذریعہ کشف آگاہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ حضرت داتا صاحبؒ چونکہ حسین بن منصور حلاج سے دلچسپی رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے دل کا مقصد یا خواہش یہ متعین کی کہ شیخ ابن العلاء مجھے حلاج کے کچھ اشعار اور دعائیں بتائیں! ایک ساتھی کو تلی کی تکلیف تھی لہذا اس نے بیماری سے چھٹکارا پانے کی دوا یا دعا کو اپنا مقصد بنایا۔ تیسرے ساتھی نے یہ چاہا کہ میری خواہش تو صابونی حلوہ ہے، دیکھتے ہیں شیخ اس خواہش سے آگاہ (۱۸) ہوتے ہیں یا نہیں؟

جونہی تینوں ساتھی حضرت ابن العلاء کے ہاں رام اللہ پہنچے تو انہوں نے داتا صاحبؒ کو حلاج کے شعر اور دعائیں سنا دیں! تلی کے مریض کے پیٹ پر شیخ نے اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ اب تمہیں تلی کی تکلیف کبھی نہیں ہو گی! تیسرے ساتھی سے کہا کہ دیکھو بھئی صابونی حلوہ کے طلبگار کو صوفیانہ لباس اتار پھینکنا چاہیے کیونکہ صابونی حلوہ توعام لوگ ہی کھاتے اور ہضم کرسکتے ہیں مگر ایک صوفی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ صابونی حلوے کی خواہش پالے!(۱۹)

یہ واقعہ یا کہانی اس وقت وجود میں آئی جب حضرت داتا صاحب اپنے شامی دوستوں کے ہمراہ وہاں کے اعلام علم و تصوف سے مستفید ہو رہے تھے اور حضرت مرشد لاہور نے کشف المحجوب میں جگہ دے کر اسے ایک روحانی اور سبق آموز مگر نا قابل فراموش کہانی بنا دیا ہے! مگر اس سے کوئی بات نکلتی ہے تو وہ یہ ہے کہ حضرت داتا صاحب اپنے مرشدکے دیار میں بکثرت جاتے تھے، شام میں ان کے

جاننے والوں اور دوستوں کی ایک جماعت تھی جس کے ساتھ وہ ملک کے گوشے گوشے میں جہاں چاہتے تھے بڑی آزادی اور سہولت کے ساتھ آتے جاتے تھے اور دمشق جیسے خوبصورت شہر سے نہ صرف یہ کہ وہ مانوس تھے بلکہ وہاں کے دراویش و علماء کے حلقوں میں بھی مقبول و متعارف تھے یہاں سے یہ عقدہ بھی کھلتا ہے کہ کشف المحجوب میں مذکور شیوخ و علماء کی کثرت شام سے کیوں تعلق رکھتی ہے؟!

اہل تصوف کے ہاں مرقعہ پوشی سے متعلق جو فصول کشف المحجوب میں موجود ہیں ان میں سے ایک فصل میں مرشد لاہور نے بعض مرقعہ پوش صوفیوں کو گندم کے کھلیانہ پر اپنی گودڑیوں کے دامن پھیلائے اور خیرات مانگتے ہوئے دیکھا، حضرت داتا صاحب کے لیے ایک افسوس ناک بلکہ شرمناک منظر تھا، اس موقع پر وہ اپنے پیر حضرت ابوالفضل ختلیؒ کے ہمراہ تھے، یہ کہانی ہم کشف المحجوب سے مصنف کے اپنے الفاظ میں اردو ترجمہ کی شکل میں یہاں پیش کرتے ہیں اور پھر اس پر بات بھی کریں گے۔

> ’’ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں (حضرت سید ہجویر) آذربائیگان (آذربائیجان؟) کے علاقے میں اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر تھا، کیا دیکھتا ہو ں کہ چند مرقعہ پوش دراویش ہیں جو ایک کھلیانہ پر گندم کے ڈھیر کے پاس اپنی گودڑیوں کے دامن پھیلائے کھڑے ہیں اور چاہتے ہیں کہ گندم کی فصل اٹھانے والا کسان ان کے دامن میں کچھ دانے ہی ڈال دے، میرے شیخ حضرت ابوالفضل ختلیؒ ان کی طرف دیکھتے ہیں اور یہ آیت پڑھتے ہیں کہ ’’یہی تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، سو ان کی اس تجارت میں برکت یا بڑھوتری نہیں ہوگی اور نہ یہ لوگ سیدھی راہ پر ہیں!‘‘(۲۰) میں (مرشد لاہور) نے حضرت ختلیؒ کی خدمت میں عرض کیا، یا شیخ! آخر یہ لوگ، اس ذلت و رسوائی میں کیونکر مبتلا ہو گئے ہیں کہ خلق خدا کے سامنے یوں عاجز اور ذلیل دکھائی دیتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ دراصل بات یوں ہے کہ ان کے پیروں کو محض مریدین کی تعداد بڑھانے کا لالچ تھا جبکہ یہ لوگ دنیا کمانے کے لالچ میں پھنس گئے ہیں اور کوئی بھی لالچ کسی بھی لالچ سے بہتر نہیں ہوتا! ضابطہ ربانی کی پابندی اور مرشد کی اجازت کے بغیر دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہوس پرستی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا!‘‘

یہ کہانی تو بالکل سیدھی سادی اور واضح ہے، اس میں کوئی ابہام یا الجھاؤ بھی نہیں ہے، دوسرے لفظوں میں پڑھنے سننے والوں کو تو اس دلچسپ اور عبرت آموز کہانی کو سمجھنے میں کوئی مشکل یا دقت محسوس نہیں ہوتی، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ختلی نے موقع کی مناسبت سے اور بات کو ذہن نشین کرانے

کے لیے قرآنی آیت سے برمحل اور موزوں استفادہ فرمایا ہے، شیخ کا یہ برمحل اور مناسب استشہاد ہمیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایک خوبصورت استشہاد قرآنی کی یاد دلاتا ہے خوارج کا ملعون گروہ **اِن الحکم الا للہ**(حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے) کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کنکریاں پھینکتے تھے، مگر آپ فرماتے تھے: یہ لوگ حق بات کے سہارے باطل کی برتری کے علمبردار ہیں (**کلمۃ حق ارید بھا باطل** یعنی الفاظ تو کلام حق تعالیٰ کے ہیں مگر ان کا مقصود باطل ہے)! اسی قسم کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سورت کہف کی آیت کریمہ سے استشہاد فرمایا تھا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

> ”آپ فرمادیجیے کہ کیا میں تمھیں ان لوگو ں کی نشاندہی کر دوں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے بڑے خسارے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش تو رائیگاں جائے گی مگر وہ اس گھمنڈ میں بھی مبتلا ہیں کہ وہ خوبصورت کارنامہ انجام دے رہے ہیں!“(۲۱)

اس کہانی سے کچھ سوالات بھی جنم لیتے ہیں جن کا جواب دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا، سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ مرید کی اپنے مرشد سے پہلی ملاقات تھی؟ اس کا جواب تو سادہ اور صاف ہے کہ نہیں؟ اگر یہ پہلی ملاقات نہیں تھی تو پھر تعارفی یا پہلی ملاقات کہاں ہوئی ہو گی؟ کیا یہ پہلی ملاقات مرشد کے شہر ختّل یا ان کے وطن بلادِ ختلان میں ہوئی؟ اس کا جواب حالات کے تقاضے کے مطابق تو نفی میں ہی ہے کیونکہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے وہ علم وفضل اور وہ تقویٰ اور تقدس کا حصول علمی و روحانی مراکز عرب کے بغیر ممکن نہ تھا جس نے حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ کو شام کے مفسر و محدث کا مقام عطا کر کے تمام اہل علم وفضل اور اہل تصوف و طریقت کو ان کا گرویدہ اور مداح بنا دیا تھا جن میں مرشد لاہور بھی شامل تھے! اس لیے صاف ظاہر ہے کہ مرشد و مرید کا تعارف اور پہلی ملاقات بھی شام ہی میں ہوئی ہو گی تو پھر حضرت ختُلی بلاد آذر بائیجان میں کیونکر تشریف لے گئے تھے؟ کیونکہ بلاد آذربائیجان نہ حضرت ختُلی کا وطن اول تھا اور نہ حضرت داتا صاحب کا یہ وطن ثانی تھا، تو پھر اسلامی دنیا کے اس دور دراز گوشے میں یہ دونوں- مرشد و مرید- دعوت اسلام اور پیغام حق کے لیے مشترکہ تبلیغی سفر پر نکلے ہوں گے، بلاد عجم میں ایسے اور بھی کئی ایک مشترکہ سفر ہوئے ہوں گے مگر وہ کشف المحجوب میں درج نہ ہو سکے اور تنگیٔ داماں کی نذر ہو گئے!

اگر ہمارا یہ استنتاج درست ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ بلاد شام میں جس طرح مرشد و مرید کے کئی ایک مشترکہ اسفار کا سراغ ملتاہے اسی طرح بلاد عجم میں بھی مزید مشترکہ سفر ہوئے ہوں گے؟! تاہم ایک بات واضح ہے کہ ان تعلقات اور ملاقاتوں کا سلسلہ بہت پرانا اور بہت طویل مدت تک رہا ہو گا اور اگر ختل یا بلاد ختلان کے بجائے یہ سلسلہ بلادِ شام ہی میں قائم ہوا ہو گا تو اس صورت میں

دوسرے سوال کا جواب یہی بنے گا کہ شیخ اپنے وطن اول اور شاگرد کے وطن ثانی۔ بلاد عجم یا ماوراء النہر کی سیاحت کے لیے آئے ہوں گے اور آذربائیجان میں مقیم ہوں گے جہاں اپنے مرشد و معلم کا ساتھ دینے اور خدمت کرنے کے لیے مرشد لاہور بھی حاضر ہوئے ہوں گے، اس صورت میں بھی دونوں کے باہمی تعلقات اور ملاقاتوں کا سلسلہ پرانا اور طویل ہی ہو گا کیوں کہ سید ہجویر کا متعدد بار شام جانا بھی رہا تھا اور اپنے مرشد سے آخری ملاقات بھی دمشق کے قریب شام کے ایک گاؤں بیت الجن میں ہی ہوئی تھی جہاں شیخ کا قیام تھا۔ اور شیخ ختُلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت بھی داتا صاحبؒ اپنے مرشد کے پاس حاضر تھے اور ظاہر ہے آذربائیجان میں خدمت کے لیے حاضری اس سے بہت پہلے کا واقعہ ہے!!

اس سیدھی سادی کہانی سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی خلافت کی حدود میں مسلم صوفیائے کرام کی آمد و رفت تو عام تھی اور وہ اسلام کے سفیر بن کر دعوت دین اور اصلاح معاشرہ کی تبلیغی سرگرمیاں تو جاری رکھے ہوئے تھے داعیان حق کے باہمی تبادلہ خیالات، تبادلہ معلومات اور استفادہ کے علاوہ غلط روش پر چلنے والے جعلی صوفیوں کی منفی سرگرمیوں اور تصوف اسلامی کو بدنام کرنے میں ناپاک جسارتوں پر مواخذہ بھی اسلام کی چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں شروع ہو چکا تھا!

ہمارے اس دعوے کے لیے کہ حضرت داتا صاحبؒ کو اپنے پیر روشن ضمیر سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی، نیز یہ کہ وہ بلاد عرب و عجم میں موقع بموقع اپنے مرشد و مربی کی صحبت کو ہمیشہ نعمت غیر مترقبہ تصور کرتے تھے اور ان کے وطن ثانی بلاد شام سے بے حد مانوس تھے، کشف المحجوب کے صفحات میں شواہد و دلائل تلاش کیے جا سکتے ہیں جو بکثرت دستیاب بھی ہیں، سید ہجویرؒ کا وہ مبارک خواب جس کی تفصیل آگے آتی ہے اور جو انہوں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دیکھا تھا اور جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پروقار سفید ریش آدمی کو گود میں اٹھائے ہوئے باب بنی شیبہ سے بیت اللہ شریف میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور دریافت کرنے پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے مرشد لاہور کو یہ بتایا تھا کہ یہ امام و فقیہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جو تیرے وطن بلاد ماوراء النہر و جنوبی ایشیا کے امام و فقیہ ہیں! اس خواب کا منظر و محور بھی ان کے پیر و مرشد حضرت ختُلی شامی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالوف و مانوس ملک شام ہی تھا! شہر دمشق کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ خلافت بنی امیہ کا دار الحکومت یا دارالخلافہ تو تھا ہی جہاں سے محمد بن قاسم ثقفی، قتیبہ بن مسلم الباہلی اور موسی بن نُصیر یا طارق بن زیاد البربری رحمہم اللہ، کے عساکرِ مجاہدین کو احکام جہاد ملے تھے اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں خلافت اسلامیہ کی حدود مشرق و مغرب اور جنوب

و شمال میں پھیل گئی تھیں(۲۲) مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہی شہر دمشق اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن بھی رہا اور صدیوں سے ان مقدس ہستیوں کی ایک جماعت کا مدفن بھی ہے!

شہر دمشق کا ایک دروازہ باب صغیر کہلاتا ہے، اسی دروازے کے نام سے وہ تاریخی مقبرہ بھی ہے جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مزارات ہیں، انہی میں مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مزار بھی ہے (دمشق میں حضرت بلال کے دو مزار ہیں ایک تو یہی باب صغیر والا ہے مگر ان کا دمشق ہی میں ایک اور مزار بھی ہے جو دمشق کے معہدالفتح الاسلامی کی حدود میں ہے، ۲۰۰۹ء میں جب مجھے شہر دمشق کی زیارت کا تیسرا موقع ملا تو اس عظیم ادارہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا، اس کے وائس چانسلر ڈاکٹر حسام الدین فرفور ہیں جنھوں نے شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور بعد میں اسی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سے پی ایچ ڈی بھی کی، ڈاکٹر حسام الدین فرفور نے اپنے کیمپس میں موجود اس ''دوسرے مزار بلالی'' کی نشاندہی کی اور یہ بھی بتایا کہ محققین کی رائے میں اصل مزار یہی ہے، واللہ اعلم بالصواب!) مشہور یہی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ باب صغیر کے قبرستان ہی میں مدفون ہیں، یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا تاہم قابل ترجیح یہی ہے کہ سید ہجویر علی بن عثمان جلابی رحمۃاللہ اسی مزار میں مصروف ذکر و دعا تھے کہ سو گئے اور خواب میں دیکھا جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

> *''ومن کہ علی بن عثمان الجلابی ام وفقنی اللہ۔ بہ شام بودم بر سر خاک بلال۔ مؤذن رسول، علیہ السلام، خفتہ، خودرا بمکہ دیدم اندر خواب، کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ازباب بنی شیبہ اندرآمدی و پیری را اندرکنار گرفتہ چنانکہ اطفال راگیرند بشفقت ......الخ''*(۲۳)
>
> میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، خدا مجھے توفیق بخشے، ملک شام میں تھا اور مؤذن رسول علیہ السلام حضرت بلال کی قبر کے سرہانے سو گیا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں ہوں، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے ہیں ایک بوڑھے بزرگ کو یوں گود میں لیے ہوئے تھے جس طرح شفقت کے ساتھ بچوں کو گود میں اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت مرشد لاہور علیہ الرحمۃ کے دل میں حضرت امام اعظمؒ کا جو مرتبہ اور مقام ہے ان کے علم وفضل اور تقویٰ و صلاح سے انہیں جو عقیدت ہے اس کا ایک عملی ثبوت یہ ذکر خیر ہے جو

کشف المحجوب کی زینت ہے لیکن یہ خواب اور اس کے مضمرات اس سب کچھ کی تاکید مزید بھی ہے لیکن خواب کی اس کہانی سے ہمارا اصل مقصود اپنے مرشد کے وطن ثانی بلاد شام اور مرکز و دارالحکومت شہر دمشق سے حضرت داتا صاحب کا انس و الفت ہے جس کے اظہار سے کشف المحجوب کے صفحات لبریز ہیں، شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی الشامی کے مرید صادق و مخلص ابوالحسن جلابی کی عقیدت و محبت جگہ جگہ جھلکتی نظر آتی ہے لیکن اس قسم کی بکھری ہوئی مزید جھلکیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم اس تذکرہ خصوصی یعنی مستقل فصل کا مطالعہ زیادہ مفید اور مناسب سمجھتے ہیں جسے حضرت داتا علیہ الرحمۃ نے اپنی زندہ جاوید کتاب تصوف کی زینت بنایا ہے اور جس سے کشف المحجوب کے قارئین کرام خود بھی آگاہ ہیں۔

اس ذکر خیر کے افتتاح(۲۴) میں تراکیب اضافی قابل توجہ ہیں اور وہ یہ ہیں ”زین اَوتاد و شیخ عُبّاد“، لفظی ترجمہ تو ظاہر ہے یعنی ان اولیاء اللہ کی زینت ہیں جنہیں اہل تصوف کی زبان میں ”اوتاد“ کہتے ہیں، یہ وتد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: وہ میخ یا کیل یا کھونٹا جس کے سہارے کوئی چیز قائم رہتی ہے روحانیت و طریقت کی زبان میں وتد (جمع اوتاد) وہ ولی اللہ ہے جس کے سپرد نظام کائنات کو سہارا دینا ہے، گویا ایسے منصب روحانی کے حامل اولیاء اللہ کے لیے حضرت ختلیؒ باعث زینت و جمال ہیں، دوسری ترکیب اضافی یعنی ”شیخِ عُباد“ کا مطلب ہے عبادت گزاروں کے امام اور قائد، حضرت داتا صاحبؒ کی طرف سے اپنے مرشد و معلم کے لیے یہ بڑی ستائش اور خراج تحسین ہے، اولیاء اللہ کے تذکروں کے مصنفین کی یہ مالوف عادت اور علمی روایت ہے کہ وہ ہر ولی کے ذکر خیر کے آغاز میں خطابات و القاب کی شکل میں اپنی بات کا ایسی تراکیب سے افتتاح کرتے ہیں، ایسی تراکیب میں عموماً سجع و قافیہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، حلیۃالاولیاء (ولیوں کا زیور یا زیب و زینت)کے مصنف امام ابونعیم الاصفہانی کو اس فن کا ماہر بلکہ مالک و بادشاہ سمجھنا چاہیے!

اس تذکرہ کے صرف تین سطری پیرے میں سید ہجویریؒ اپنے مرشد کی شخصیت کے چھ پہلو پیش فرما کر اپنی فصاحت و بلاغت کے جھنڈے گاڑھ دیتے ہیں (۱)یہ کہ وہ خود حضرت ختلیؒ کے مرید ہیں (۲)شیخ ختلیؒ ایک مفسر قرآن اور محدث تھے (۳)سلسلہ جنیدیہ سے منسلک تھے (۴) وہ ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری کے مرید تھے (۵) انہیں کس کس کی صحبت اور رفاقت یا معاصرت کا شرف حاصل تھا (۶) ان کے ہم پلہ معاصر کون تھے! مرشد لاہور نے اختصار و ایجاز میں کمال کردکھایا ہے جو فصاحت و بلاغت کی دنیا میں بہت بڑا حسن و جمال اور خوبصورتی و کمال متصور ہوتا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سید ہجویریؒ کو فارسی شیریں پر بڑا عبور اور قدرت حاصل تھی !!آیئے بلاغت میں مرشد لاہور کی

سادگی و پرکاری آپ بھی ملاحظہ فرمایئے ارشاد ہوتا ہے :

> ”اقتدای من دریں طریقت بدوست، عالم بود بہ علم و تفسیر و روایات (حدیث) و اندر تصوف مذہب جنید داشت، ومرید حصری بود، و صاحب سیروانی بود، وازاقران ابوعمر و قزوینی بود وابوالحسن سالبہ !“(٢٥)

اب اگر میں اس آسان عبارت کو اردو میں ڈھالوں تو آپ کی بلند ذوقی پر بھی گراں گذرے گا بلکہ کچھ کچھ ترجمہ ابھی گذرا بھی تو ہے اور شاید یہ خود مرشد لاہور کی روح پاک کے لیے بھی ناگواری کا باعث ہو۔ لہذا داتا صاحبؒ کی یہ فارسی خود پڑھیے، سنیئے اور سردھنیئے!

اس کے بعد والے پیرے میں حضرت داتا صاحب اپنے پیر و مرشد کی بحیثیت ایک سَچے اور سُچے صوفی کے، تصویر کشی کرتے ہیں اورجس قدر یہ قلمی تصویر حسن وجمال کی آئینہ دار اورپرکشش ہے اس سے کہیں زیادہ شام کے صوفی، مفسر و محدث حضرت خُتلیؒ کی شخصیت قاری کے لیے دلآویز اور محبوب دکھائی دیتی ہے، یہ قلمی تصویر جہاں لکھنے والے کے قلم کی کرشمہ سازی کی آئینہ دار ہے وہاں مرید وتلمیذ کی اپنے مرشد و استاذ کے لیے والہانہ محبت اور گہری عقیدت کی ترجمان بھی ہے آیئے اس عبارت کو اردو کاجامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت داتا صاحب کی عبارت کا اردو ترجمہ یوں ہے۔

> ”وہ ساٹھ سال تک ایک پکے گوشہ گیر اور عزلت پسند کی حیثیت سے(کوہِ لُکام کے) مختلف گوشوں میں مارے مارے پھرتے رہے حتیٰ کہ لوگوں کے ذہنوں سے اپنا نام بھی محو کروا دیا تھا، آپ کا زیادہ وقت آج کے لبنان کے کوہِ لکام (جوکبھی شام کا ہی پہاڑتھا) میں چھپتے چھپاتے بسر ہوا تھا، آپ کی زندگی ایک صالح انسان کی زندگی تھی، آپ کی کرامات اور ولی ہونے کے دلائل و علامات بہت ہیں مگر ظاہری صوفیانہ لباس اور متکلفانہ عادات سے وہ کنارہ کش اور دور تھے، بلکہ دکھاوے کے لیے صوفیانہ لباس اور زاہدانہ روش اپنانے والوں سے تو وہ بے حد ترش روئی سے پیش آتے تھے، میں نے ان سے بڑھ کر پرہیبت اور جلالی صوفی کہیں نہیں دیکھا!“(٢٦)

حضرت داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب میں شیخ خُتلی کا ایک عربی جملہ نقل کیا ہے جو عربی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور زبان عرب پر کمالِ قدرت اور عبور کی دلیل ہے، یہ جملہ تصوف کی دنیا میں اب ایک عربی ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکاہے کہ”**الدنیا یوم ولنا فیھاصوم**“ کہ یہ دنیائے فانی ایک روز ہے اور ہم نے اس ایک روز کو بھی روزہ بنا چھوڑا ہے! یعنی ہم دنیا کو راہ خدا

میں بڑھنے کے لیے ایک رکاوٹ کا مرحلہ تصور کرتے ہیں اس لیے ہم نے تو اس سے بھی اعراض کی روش اپنا رکھی ہے!''

اپنے پیر و مرشد کے کشف و کرامات کو اجاگر کرنے کے لیے اپنی ایک خود بیتی یا ذاتی مشاہدہ و تجربہ کا سہارا لیتے ہوئے سید ہجویرؒ فرماتے ہیں:

> ''ایک دفعہ میں حضرت خُتلی کو وضو کرانے کے لیے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا تھا، میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ جب سب کچھ تقدیر اور قسمت کا لکھا ہے تو پھر آزاد لوگ خود بخود استادوں یا پیروں کا خادم اور غلام کیوں بنتے ہیں؟! شیخ نے کہا: بیٹا مجھے معلوم ہے تم کیا سوچ رہے تھے! مگر یاد رکھو کہ ہر حکم کا ایک سبب ہوتا ہے، جب حق تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ایک گنوار یا اجڈھ کے بچے کے سر پر عزت و عظمت کا تاج رکھنا ہے تو اسے توبہ کرکے راہ راست پر آنے اور اپنے کسی ولی کی خدمت انجام دینے کی توفیق دے دیتے ہیں تاکہ یہ خدمت انجام کار اس کے لیے عزت و عظمت کا زینہ یا سبب اور وسیلہ بن جائے!''(۲۷)

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرشد و استاذ نے ان پر عزم الفاظ سے اپنے شاگرد و مرید کے دل میں کیا ولولہ پیدا کر دیا ہو گا؟! اپنے مرید کو محض شرمندہ کرنے کی بجائے اس میں مستقبل کا سید ہجویرؒ اور مرشد لاہور بننے کی تڑپ پیدا کر کے آنے والے وقتوں اور مراتب و مقامات کے حصول کی پیش گوئی بھی فرما دی! اہلِ کمال کے یہی تو کمالا ت ہوتے ہیں: بقول علامہ اقبال:

کیمیا پیدا کن از مشت گلے　　بوسہ زن بر آستانِ کاملے

اسی مرد خلیق کا یہی حسن اخلاق اور حسن تعبیر تھا کہ جس نے مرید کے دل میں اپنے مرشد کے لیے عقیدت و محبت، احترام و اکرام کے جذبات دوبالا کر دیے اور حسن کلام و جمالِ قلم کی ایک دنیا جگا دی! پھر کیا تھا؟ کشف المحجوب وجود میں آ گئی اور دنیا کے لیے منکشف ہو گیا کہ حضرت شیخ ختلیؒ زین اوتاد بھی تھے اور شیخ عباد بھی!! اس طرح چراغ سے چراغ جلتے ہیں اور انسانیت کی راہیں روشن سے روشن تر ہوتی جاتی ہیں! ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ برملا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ تو ایک معمولی سا واقعہ ہے، شیخ کے ہاں تو ایسے لطائف و کمالات کا معمول تھا بات یوں مکمل ہوتی ہے ؟: اور یہ اس مستقل فصل کا اختتام ہے کہ:

وما نند ایں بسیار لطائف　　ہر روز ازوی بہ ما ظاہر شدی (۲۸)

یہ اتفاق تھا یا سید ہجویرؒ کی بکثرت زیارات شیخ کی کرامت تھی کہ دم آخر میں بھی وہ اپنے شیخ کے قدموں میں تھے؟! اس موقع پر مرشد نے مرید کو فراق اور جدائی کا غم کھانے کی بجائے ایک نہایت کارآمد اور قیمتی وصیت سے ان کے دامن کو مالامال کر دیا جسے مرشد لاہور نے پلے باندھ لیا اور کچھ یوں ضبط تحریر کا رنگ دے دیا۔

> ''جس روز ان کی وفات کا مرحلہ آیا تو آپ اس وقت بیت الجن، شام کی ایک پرانی پہاڑی بستی میں تھے، یہ ایک گاؤں ہے جو عقبہ کے اوپر شہر برنیاس اور دمشق کے درمیان واقع ہے، آپ کا سر میری گود میں تھا، میرا دل بہت رنجیدہ تھا کہ ایک یارِ غمگسار و مددگار جدا ہونے کو ہے، انسانی فطرت ہی یہی تقاضا کرتی ہے، مگر انہوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''بیٹے یہ اعتقاد کی بات ہے جو میں تم سے کہنے لگا ہوں، اگر اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لو گے تو تمام دکھوں سے نجات پاؤ گے، یہ جان لو کہ ہر جگہ کے اچھے یا برے حالات خدائے عزو جل کے قبضۂ قدرت میں ہوتے ہیں تم اللہ تعالیٰ کے کام میں مت دخل دو اور نہ دل کو رنجیدہ کرو' شیخ نے اس وصیت کے علاوہ اور کچھ نہ فرمایا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد فرمائی، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو، وہ ان سے راضی ہو اور اپنی خوشنودی سے انہیں سیراب و سرفراز فرمائے، وہی ہے جو اپنے بندوں کے احوال بہتر جانتاہے!''(۲۹)

انبیاء کرام کے معجزات برحق ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان لانا لازم ہے، معجزہ نبی کے دعوے کی خدائی تائید و تصدیق ہوتی ہے، غیر انبیاء میں سے بندگانِ حق اور اولیاء اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب بندوں) کے معجزات نہیں ہوتے بلکہ کرامات ہوتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی ولایت کا دعوی نہیں کرتا اور نہ ہی اسے نبی کی طرح لوگوں کو ہدایت کے لیے براہ راست حکم دیا جاتاہے نبی و رسول کے برعکس اللہ تعالیٰ انہیں ولی بنائے جانے سے آگاہ بھی نہیں فرماتے مگر اللہ تعالیٰ اپنے ولی یا دوست اور محبوب کا تحفظ فرماتے ہیں اور اس کے ہاتھ پر خرقِ عادت واقعات ظاہر کرتے ہیں جنہیں کرامات کہا جاتا ہے، گویا نبی و رسول کا معجزہ ہرحال میں ظاہر ہونا ہوتا ہے، **اِنّاَ لَنَنْصُر رُسُلَناَ** یعنی پکی اور یقینی بات ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کرتے ہیں(۳۰) جبکہ اپنے اولیاء کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست اور محبوب بندوں کو کوئی خوف ہوتا ہے نہ غم(۳۱) نبی معصوم ہوتا ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے ہر برائی اور ہر گزند سے ہر حال میں بچانا ہوتا

ہے، جبکہ اولیاء اللہ سے یہ وعدہ ہے کہ خوف اور غم ان کے لیے نہیں ہے، البتہ اولیاء کو اس نے ہر برائی یا گزند سے ہر حال میں بچانا نہیں ہوتا۔ حضرت داتا صاحبؒ انبیاء کے لیے عصمت (یقینی اور ہر حال میں بچاؤ کی صورت نکالنا) کا لفظ استعمال کرتے ہیں جبکہ اولیاء اللہ کے لیے حفاظت (بچانا مگر ہر حال میں نہیں) کا لفظ لاتے ہیں اس طرح ان کے نزدیک نبی معصوم ہوتا ہے جبکہ ولی محفوظ ہوتا ہے، معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہیں اور ازروئے عقل ان کا ثبوت اور جواز بھی داتا پیرؒ پیش فرماتے ہیں اور پھر اسی ضمن میں وہ اپنے مرشد و معلم حضرت ابوالفضل ختلیؒ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلے کے اولیاء اللہ کی کرامات کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔

ایک جگہ (۳۲) وہ اپنے مرشد کے ہمراہ اپنے ایک سفر کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ بارش کا موسم تھا، میں اپنے شیخ کے ہمراہ بیت الجن سے دمشق کے لیے جا رہا تھا، پھسلن اور کیچڑ کے باعث ہمراہیوں کے لیے چلنا دشوار ہو گیا تھا مگر ہم نے دیکھا کہ ہمارے شیخ کے جوتے اور پائجامہ بالکل خشک ہیں، میں نے تعجب سے زبان ہی کھولی تھی کہ حضرت شیخ نے فرمایا: ہاں! جب سے میں نے توکل علی اللہ اختیار کر کے اوہام اور وساوس شیطانی کو دل سے نکال دیا ہے اور پھر اس روش پر سختی کے ساتھ ثابت قدم ہو گیا ہوں اس وقت سے حق تعالیٰ نے میری روش کو اپنی نگاہ میں رکھا ہوا ہے (کہ اولیاء اللہ کے لیے خوف ہے نہ غم! جس نے اللہ پر توکل کر لیا تو پھر اس کے لیے نگاہ خداوندی ہی کافی ہے۔ (۳۳)

انبیائے کرام علیہم السلام منکرین حق کو معجزہ کا چیلنج بھی دیتے ہیں اور جب منکرین حق معجزہ کے طالب ہوں تو بھی معجزہ کا ظہور میں آنا لازم ہے، لیکن اولیائے کرام نہ تو اپنی کرامت کا منکرین کو چیلنج دے سکتے ہیں اور نہ ان کے طلب کرنے پر کرامت کا اظہار کرتے ہیں، اولیاء کا کام صرف یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کا خوف ہو اور نہ کسی کا غم اور نہ کوئی خدشہ ہو، مرشدِ لاہور بھی کرامات اولیاء کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں، فرماتے ہیں۔

> ”و اظہار کرامت بر اولیاء کرامتی دیگر بود، و شرط آن کتمان است نہ اظہار بتکلف“ (۳۴)

یعنی اولیائے کرام کے ہاتھ پر کرامت کا اظہار بھی خود اپنی جگہ ایک کرامت ہوتی ہے اور اس میں بناوٹ کے ساتھ کرامت کے اظہار کے بجائے چھپانا بہتر ہے لیکن ان کے پیر و مرشد شیخ ختلیؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی ولی اپنی سچائی کے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ولایت و کرامت کا اظہار

کرے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہاں اگر وہ تکلف کر کے اپنی ولایت و کرامت کا دعویٰ کرے یعنی اپنی ولایت کی ڈینگ مارنا یا دھونس جمانا چاہے تو اسے رعونت و تکبر کہا جائے گا! داتا صاحب اپنے شیخ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

> ”اگر ولی ولایت ظاہر کند، وبدان دعوی کند مر صحت حالش را، زیان ندارد، اما تکلف وی به اظهار آن رعونت باشد! (۳۵)
>
> یعنی اگر کوئی ولی اپنی وِلایت ظاہر کرے اور اسے اپنی صحت اور صداقت کا دعویٰ ہو تو کوئی نقصان یا حرج کی بات نہیں مگر تکلف اور ڈھٹائی سے کوئی ولایت ظاہر کرے تو یہ رعونت و غرور ہے!“

کوئی ولی اللہ نہ تو براہ راست من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے نہ اس پر لوگوں کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری ہوتی ہے جبکہ نبی من جانب اللہ مبعوث ہوتا ہے اور اس پر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی بھی لازم ہوتی ہے اسی لیے معجزانہ تائید الٰہی بھی برحق ہوتی ہے اور اسے ماننا، اس پر ایمان لانا اور اس کا ساتھ دینا بھی سب پر واجب ہوتاہے، اس لیے ظاہر ہے کہ ولی، اس کی ولایت یا کرامت کی وہ حیثیت نہیں ہوتی جو نبی، اس کی نبوت یا معجزہ کی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی فضلیت اور برتری بھی مسلم ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت داتاؒ اور ان کے مرشد حضرت ختلیؒ سمجھا رہے ہیں۔

مخدوم و مرشد لاہور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے صفحات میں جہاں اپنے سلسلہ جنیدیہ، اس کے شیخ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے خلفاء و اتباع کا بکثرت ذکر کیا ہے وہاں اپنے پیرو مرشد حضرت ختُلی کا بھی کثرت سے ذکر کیا ہے اور ان کے اقوال و ارشادات بھی نقل کیے ہیں، یہ ذکر خیر اور یہ اقوال و ارشادات جہاں مفسر و محدث شام حضرت ختلی رحمۃاللہ علیہ کی شخصیت، فکراور علمی مقام کو اجاگر کرنے اور سمجھنے میں مدد دیتے ہیں وہاں ان سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ مرید اور مرشد کی ملاقات کے سلسلے خاصے طویل رہے تھے اور باہمی روابط خلوص اور پختگی کا رنگ لیے ہوئے تھے، اُستاذ کی شاگرد سے شفقت و محبت بہت زیادہ تھی اور مرید کے دل میں بھی اپنے شیخ سے محبت بہت گہری تھی اور دل میں ان کا بے حد احترام تھا، اس سب کچھ کا احاطہ تو مشکل ہے مگر ایک جائزہ ممکن ہے جو کفایت کرے گا!

اہل تصوف کے ہاں صَحو(ہوش میں رہنا، بیدار رہنا) اور سُکر(نشے میں رہنا، مست ہونا) دو

حالتیں یا دو کیفیات ہیں، بعض بزرگ صحو کو پسند کرتے اور قابل فضل و ترجیح قرار دیتے ہیں جبکہ بعض سکر کے قائل ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں، سید الطائفہ اور سردار صوفیاء حضرت جنید بغدادیؒ صحو کے قائل ہیں اور سید ہجویریؒ نے صحو و سکر پر مفصل بحث کی ہے اور کتاب و سنت سے استشہاد کرتے ہوئے سلسلہ جنیدیہ کے مسلک صحو کو ہی ترجیح دی ہے(٣٦) اور بتایا ہے کہ آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح اور سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی تقاضا ہے:

> ''یہ سب باتیں صحو کے سوا اور کسی حال میں بھی درست نہیں معلوم ہوتیں مگر شاید اہل سکر کو ان حقائق سے آگاہی حاصل نہیں ہے، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام (دیدار الٰہی کے نشے میں مست تھے گویا) حالت سکر میں تھے، اس لیے جلوہ ربانی کے صرف ایک اظہار کی بھی تاب نہ لاسکے اور ہوش کھو بیٹھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حالت صحو میں تھے اس لیے مکہ مکرمہ میں دیوار بیت اللہ سے لے کر قاب قوسین کے مقام تک ہر جگہ نور ربانی کے جلوے ہی جلوے تھے مگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لمحہ اور ہر قدم ہوشیار سے ہوشیارتر اور بیدار سے بیدارتر رہے!''

اس موقع پر مرشد لاہور نے عربی کے ایک خوبصورت شعر سے استشہاد کرتے ہوئے اور صحو کا مفہوم واضح کرتے ہوئے دلچسپ سامان باندھ دیاہے:

شَرِبتُ الّراحَ کَأساً بَعْدَکَأس   فَماَ نَفدَ الشَّرابُ وَمَا رَوِیتُ

ترجمہ: میں شراب کا پیالے پر پیالہ انڈیلتا چلا گیا مگر نہ تو شراب ختم ہوئی اور نہ میری تشنگی دور ہوسکی!

یعنی نور ربانی کی تجلیات یکے بعد دیگرے نمایاں ہوتی رہیں مگر نہ تو اللہ کے نور کی تجلیات ختم ہوئیں (کہ یہ سلسلہ تو ازل تا ابد ہے) اور نہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے جلوے دیکھ کر سیر ہو پائے۔

اس کے بعد فوراً اس ضمن میں اپنے مرشد کا قول نقل کرتے ہیں جو یقیناً نہلے پر دہلے کے مترادف ہے، فرماتے ہیں:

> **''وشیخ من گفتے، ووی جنیدی مذهب بود، که سکر بازیگاهِ کودکان است وصحو فناگاه مردان!(٣٧)**
>
> ''یعنی میرے شیخ نے فرمایا تھا، اور وہ تو جنیدی مسلک رکھتے تھے کہ سکر تو بازیچہ اطفال یا بچوں کا کھیل ہے جبکہ صحو مردان شہسوار کا مقتل یا قتل گاہ ہے!،،

اور سب سے آخر میں مرشد لاہور کا اپنا تبصرہ ہے جو یقیناً مسک الختام کا درجہ رکھتا ہے چنانچہ سکر پر صحو کو فضیلت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ومن کہ علی بن عثمان الجلابی ام، می گویم، بر موافقت شیخم۔ رحمۃ اللہ علیہ، کہ کمالِ حالِ صاحبِ سکر صحو باشد و کمتر ین درجہ اندر صحو رؤیت باز ماندگی بشریت بود، پس صحوی کہ آفت نماید بہترَاز سکری کہ عین آن آفت بود! (۳۸)
>
> یعنی میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں، یہ کہتا ہوں کہ میں اپنے شیخ رحمۃاللہ علیہ کے سلسلہ طریقت سے اتفاق کرتا ہوں اور ان کا پیروکار ہوں، سکر کا مسلک اختیار کرنے والے صاحب حال صوفی کے لیے جب کمال کا مرحلہ آتا ہے تو وہ بھی تب آتا ہے جب وہ صحو کے درجہ میں پہنچ چکا ہوتا ہے اور صحو میں صاحب طریقت صوفی کا سب سے کم درجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بشریت کی پس ماندگی دکھائی دے، گویا وہ صحو جو آفت بن جاتا ہے اس سکر سے پھر بھی بہتر ہے جو عین آفت ہوتا ہے!''

اب ہم ایک ایسی کہانی کو لیتے ہیں جس کے راوی خود شیخ خُتلی ہیں اور اسے سید ہجویرؒ نے اپنی کشف المحجوب کی زینت بنایا ہے، یہ کہانی دلچسپ اور حیرت انگیز تو ہے ہی مگر عراق و شام بلکہ بلادِ عرب کے اصحاب طریقت اور ارباب تصوف کی ایک عادت اور روایت بھی بن چکی ہے اور اس پر آج بھی عرب دنیا کے صوفی عمل پیرا ہیں (ڈاکٹر ابوالوفاء تفتازانی سابق ڈپٹی وائس چانسلر قاہرہ یونیورسٹی سے ۱۹۷۷ء میں اسی یونیورسٹی میں میری ملاقات ہوئی تھی، ڈاکٹر تفتازانی مرحوم بہت بڑے محقق اور سکالر بھی تھے، اہل علم وتحقیق جانتے ہیں کہ انہوں نے شیخ اکبر ابن عربی کی فتوحات مکیہ ایڈٹ کرنے اور اس کی فنی فہارس تیار کرنے میں اپنی تمام عمر صرف کر دی مگر فتوحات کا یہ ایڈیشن محققین کی دنیا کے لیے ایک معجزہ سے کم نہیں!) ۱۹۷۷ء میں مجھے ڈاکٹر تفتازانی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور پتہ چلا کہ وہ مصری صوفیوں اور اہل طریقت کی انجمن کے صدر بھی ہیں، کشف المحجوب کی اس کہانی سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عرب دنیا کے صوفی بزرگ نہ صرف متحد و متفق ہوتے ہیں بلکہ منظّم بھی ہوتے ہیں! اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ خُتلی شامی جیسے بزرگ بھی اپنے شاگردوں اور مریدوں کو اپنے سلسلہ کی روایات سے آگاہ رکھتے تھے، حضرت داتا صاحب اپنے شیخ کی زبانی یہ کہانی یوں نقل کرتے ہیں:

> ''میرے شیخ نے بتایا کہ: ایک سال ایک صحراء میں اولیاء کرام کا اجتماع ہوا، میرے مرشد حضرت حصری رحمۃاللہ علیہ مجھے بھی وہاں اپنے ساتھ لے گئے، وہاں میں نے صوفیاء کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آ رہے ہیں، ایک دوسرے گروہ کو تخت پر بٹھا کر لایا جا رہا ہے، ایک تیسرا گروہ ہے جسے ہوا میں اڑاکر لایا جا رہاہے، الغرض آنے والا ہر صوفی اسی نوع کی شان و شوکت کے ساتھ آ رہا تھا، حضرت حصری نے ان میں سے کسی کی کوئی پروا نہ کی آخر کار میں نے ایک جوان صوفی کو آتے دیکھا، نعلین یا کھڑائیں ٹوٹی ہوئی تھیں لاٹھی بھی ٹوٹی ہوئی اوراس کے پاؤں بھی شکستہ لگے، ننگے سر، جسم کے حصے جیسے جلے ہوئے ہوں، حضرت حصری چھلانگ لگا کر اٹھ کھڑے ہوئے پھر تیزی سے اس کی طرف لپکے اور اسے ایک اونچے درجے میں بٹھایا، مجھے بڑا تعجب ہوا، بعد میں میں نے حضرت شیخ سے پوچھا تو وہ فرمانے لگے: ''یہ صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے جو کسی ولایت یا گدی کا وارث اور پیروکارنہیں ہے بلکہ ولایت اس کی وارث اور پیر وکار ہے، اسے کرامات سے کوئی سروکارنہیں ہے!''(۳۹)

اس کہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے اور کرامات اولیاء کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سید ہجویر فرماتے ہیں: ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنے لیے ہم جو بھی روش منتخب کریں وہ ہمارے لیے ایک مصیبت اور آزمائش ہو گی، میری تو اس ضمن میں یہی آرزو ہے کہ حق تعالیٰ اس سلسلے میں ہمیں ہر مصیبت و آزمائش سے بچائے اورنفس کے شر سے ہمارا چھٹکارا کرائے اگر وہ ہمیں قہر کے دائرے میں رکھے تو لطف کی تمنا نہیں کریں گے ، اور اگر وہ اپنے لطف کے دائرے میں رکھے تو قہر کا ارادہ نہیں کریں گے!کیونکہ مجھے ذات باری کے اختیار پر کوئی اختیار نہیں ہے، توفیق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ہمیں تو اللہ ہی کا فی ہے اور وہی بہترین ساتھی ہے!''(۴۰)

حضرت امام خُتلی رحمۃ اللہ علیہ کو ہماری علمی و ادبی تاریخ ایک مفسر قرآن اور معتبر عالم حدیث کے رنگ میں پیش کرتی ہے اور وہ ہمارے صوفی مفسرین و محدثین کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں، مرشد لاہور نے بھی ان کی انہی دو امتیازی علمی خوبیوں کو نمایاں کیا ہے مگر وہ انہیں روحانی دنیا کے زین اوتاد اور شیخ عُباد یعنی اللہ تعالیٰ کے نظام روحانیت کے اوتاد (سہارنے، تھامنے اور پختگی کے ساتھ سنبھالنے والوں) کی زینت اور رونق قرار دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ذکر اللہ اور عبادت میں وہ ہمہ تن مصروف رہنے والوں کے بھی معلم و امام تھے جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے(۴۱) لیکن حضرت خُتلی کے متعلق ہمارا یہ مطالعہ چوں کہ صرف کشف المحجوب کے صفحات تک ہی محدود ہے اس لیے علوم شریعت

و طریقت کے ضمن میں ان کے وہی ارشادات و افادات سامنے رکھنا ہیں جو اس عظیم الشان و زندہ جاوید کتاب کے نشیب و فراز میں یوں بکھرے پڑے ہیں جس طرح کسی بحرِ زخار میں موتی بکھرے پڑے ہوں مگر ان کو چننا اور پرونا کسی حوصلہ مند غوطہ زن اور ہنرور کاریگر کا کام ہے، ہمارے جیسے ڈرنے جھجکنے والے کو تو وہی موتی نظر آئیں گے جن کی چمک دمک دور سے بہ آسانی نظر آئے گی اور پھر انہیں پرونا اور سجانا تو اس سے بھی کہیں زیادہ دشوار اور پیچیدہ کام ہے جو ایک عام سے معمولی سے قلم کے بس میں نہیں ! لیکن یہ جو اسلاف عرب نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے کہ ”مَا لاَ یُدرَکُ کُلُّہٗ، لا یُترَکُ کُلُّہٗ“ یعنی جس چیز کو مکمل طور پر سمیٹنا ممکن نہ ہو اسے بالکل ہی تو نہیں نا چھوڑا جاتا! اس لیے یاران نکتہ داں اور ماہرین شناوری کے کہنہ مشق اہل ہنر کے لیے صلائے عام اور دعوت مدام کا سہارا لیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں!

قبض (خوشی کا چھن جانا اور اس کی جگہ حزن و رنج کا چھاجانا) اور بسط (خوشی سے دل کا کھل جانا اور رنج و غم کو بھول جانا) سالکین راہِ حق کی دو کیفیات اور احوال ہیں، ان دونوں میں سے جو ایک بھی کسی سالک طریقت پر مسلط ہوجائے اسے چھوڑتی نہیں، ان میں سے ہر حالت اور ہر کیفیت قادر مطلق کے دستِ تصرف میں ہے اس میں کسی کی اپنی مرضی یا اختیار کو کوئی دخل نہیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے قابض اور باسط بھی ہیں، اسی طرح قاہر اور لطیف بھی انہی صفاتی ناموں میں سے دو نام ہیں، کچھ ارواح سالکین اللہ تعالیٰ کے قہر سے خوف زدہ ہو کر قبض کی کیفیت اور حالت سے دو چار ہوجاتی ہیں، جبکہ بعض ارواح سعیدہ ایسی ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لطف میں ڈوب جاتی ہیں اس لیے ان پر بسط کی کیفیت غالب آجاتی ہے، اہل ہنر اور ماہرین علم تصوف نے ان دونوں حالتوں سے بحث کرتے ہوئے لمبے چوڑے مسائل اور مشکلات کا ذکر کیاہے مگر ہمارے ان ہر دو بزرگوں، مرشد و مرید اور استاذ و تلمیذ نے دو ٹوک بات کر کے تمام عقدے کھول دیے ہیں اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد و استاذ حضرت ختلی اور مرید و تلمیذ حضرت داتا، رحمہما اللہ، دونوں کس قدر متوازن ذہن اور صاف دماغ کے مالک ہیں پہلے مرشد لاہور سے ان کے معلم و مرشد کی بات سنتے ہیں جو انہوں نے اپنی کسی روحانی محفل میں کہی ہوگی اور اسے مرید و تلمیذ نے اپنے دل پر لکھ لیا ہو گا اور پھر جب کشف المحجوب میں ریکارڈ کرنے کا موقع آیا تو یوں ضبط تحریر (۴۲) میں آگئی:

”میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قبض اور بسط میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ ایک معنی اور مفہوم رکھتے ہیں اور دو الگ الگ کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کو لاحق ہوتی ہیں، چنانچہ جب وہ جل شانہ دل پر خوشی و سرور کا نشان لگاتا ہے تو بندہ مسرور ہو جاتا ہے

مگر ساتھ ہی نفس انسانی مقہور بھی ہو جاتا ہے، اگر نشان سے دل مقہور ہو جائے تو نفس انسانی مسرور ہو جاتا ہے، ضمیر پر قبض کا نشان ثبت ہو تو نفس انسانی پر بسط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور اگر ضمیر پر بسط کا نشان ثبت ہو تو اس کے ساتھ نفس پر بھی قبض کی کیفیت مسلط ہوجاتی ہے۔ جو شخص اس کی کچھ اور تعبیر پیش کرتا ہے وہ اپنا وقت ضائع کرتاہے، اسی لیے بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایاہے: **قَبضُ الُقُلُوُبِ فی بَسطِ الُنفوسِ وَبَسطُ القُلُوبِ فی قبض النُفُوسِ** (یعنی دلوں کا قبض نفوس کے بسط میں اور دلوں کا بسط نفوس کے قبض میں ہوتاہے) تو اگر نفس مقبوض ہو تو خلل سے محفوظ رہتا ہے اور اگر ضمیر مبسوط ہو یعنی بسط کی حالت میں ہو تو لغزش سے محفوظ رہتا ہے، اس لیے کہ دوستی یا حُب میں غیرت کو مسلک کی حیثیت حاصل ہے اورقبض دراصل حق تعالیٰ کی غیر ت کی علامت ہے، دوست کا دوست پر عتاب تو ہوتا ہی ہے ایسے میں بسط دراصل عتاب کی علامت ہوتی ہے!‘‘

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں(۴۳) کہ مشہور احادیث و اقوال صحابہ میں آیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام زندگی بھر نہیں ہنسے، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی بھر کبھی نہیں روئے، وجہ یہ ہے کہ ایک پر قبض کی حالت مسلط تھی جبکہ دوسرے پر بسط کی حالت طاری رہی، جب یہ دونوں ایک دوسرے سے ملے تو یحییٰ نے کہا عیسیٰ! کیا آپ رشتے قطع ہونے سے خود کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے؟ تب عیسیٰ نے کہا: اے یحییٰ! کیا تم رحمت حق سے بالکل نااُمید تھے؟ بات یوں ہے کہ نہ تیرے رونے سے حکم ازل ٹل سکا اور نہ میرے ہنسنے نے قضائے ربانی کو ٹالا! تو گویا نہ قبض ہے، نہ بسط، طمس ہے نہ انس، محو ہے نہ محق، عجز ہے نہ جہد یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ تقدیر ازلی ہے اور اس کا پہلے سے فیصلہ ہو چکا تھا!‘‘

نیند انسان کی فطری ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی، یہ نظام قدرت کی رحمت بھی ہے مگر زحمت بھی بن جاتی ہے، محنت کش کو جسم صالح کی ضرورت ہے مگر تھکے ماندے انسان کی مجبوری بھی ہے، تھکے ماندے کے آرام و سکون کے لیے یہ نیند خدا کی نعمت و رحمت ہے مگر سست، کاہل اور غافل کے ضیاع وقت کے لیے یہی نیند زحمت اور خسارہ کا باعث بھی ہے۔

لیکن اہل تصوف کے ہاں سفر و حضر میں نیند کے بھی کچھ اصول اور آداب ہیں اور ان اصول و آداب کو ملحوظ رکھنا بہت اہم ہے، خواب کا تعلق بھی نیند سے ہے اس لحاظ سے بھی اہل طریقت نے نیند پر گفتگو کی ہے، حضرت خُتلی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس حوالے سے ایک خاص نقطہ نظر ہے، بعض نیک روحوں کو نیند پر بھی قدرت حاصل ہوتی ہے اور موت پر بھی، کیونکہ عربوں کے ہاں نیند بھی موت کی

بہن ہے (النومُ اختُ الموتِ)! لیکن بعض بدنصیب روحوں کو نہ آسانی سے نیند آتی ہے نہ موت! نیند اور موت میں جو مشابہت، قرابت اور رابطہ ہے اسے حضرت داتا صاحبؒ نے ایک درویش اور ایک امام مسجد کی کہانی کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش (۴۴) کی ہے، کہاجاتاہے کہ ایک خدا شناس درویش اور ایک دنیا پرست امام مسجد کے درمیان نونک جھونک رہتی تھی، درویش جب بھی مسجد میں امام مسجد سے ملتا اسے کہہ دیتا: اے ابو فلاں تو مر جا! امام مسجد کو یہ بات بہت ناگوار لگتی تھی کہ درویش اسے مر جانے کی تلقین کیوں کرتا ہے؟ وہ دنیا پرستی کی بیماری میں ایسا مبتلاہوا تھا کہ اسے موت اور آخرت کی فکر ہی نہ تھی، ایک دن امام نے یہ فیصلہ کیا کہ آج جب وہ درویش آئے گا تو پہل کرتے ہوئے میں اسے کہوں گا کہ تو مر جا! جونہی امام نے اسے کہا کہ اے درویش تو مر جا! امام کی بات سنتے ہی وہ درویش اللہ کانام لیتے ہوئے خاص جگہ پر لیٹ گیا اور چند لمحات کے بعد وہ موت کے آغوش میں تھا! یہ واقعہ دراصل اس دنیا پرست امام کے لیے تنبیہ تھی کہ وہ اپنی موت اور راہ آخرت کے لیے سامان کرے مگر وہ اس کا اشارہ حکیمانہ سمجھنے سے قاصر تھا، اس موقع پر حضرت ختلی علیہ الرحمہ کا تبصرہ بھی بہت برمحل اور موزوں ہے اور اسے داتا صاحبؒ یوں پیش کرتے ہیں:

> ”میرے شیخؒ اپنے مریدوں سے ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ جب حال طاری ہو تو سویا نہ کرو! لیکن جب بیدار ہو جاؤ تب بھی دوبارہ مت سویا کرو، کیونکہ مرید حق کے لیے دوبارہ سونا حرام ہے اور بیکار ہے!“(۴۵)

انس اور ہیبت بھی مسائل تصوف میں سے ہیں، انس کا مطلب ہے ذات باری تعالیٰ کی ایسی معرفت جس میں انسیت اور اپنائیت کا احساس ہو، اور ہیبت سے مقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ جل شانہ کے رعب و جلال اور ہیبت کے سایہ میں راحت پائے، دراصل انس اور ہیبت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے جمال اور جلال سے ہے، جلال ہیبت کو مستلزم ہے جبکہ جمال کا نتیجہ انس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جلوہ جمال بندے میں انس و محبت پیدا کرتا ہے جبکہ صفت جلال کی تجلیات کا نتیجہ ہیبت ہے، اس ضمن میں صوفیائے کرام کی رائے اورموقف مختلف ہیں، حضرت داتا صاحب اپنے مرشد کی رائے اور موقف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:(۴۶)

”میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ انس ناممکن ہے،یہ جاننے کے بعد بھی کہ حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ:

وَاِذَاسَأَلَکَ عِبادِی عَنیّ ‘فَاِنّیِ قَرِیبُ(۴۷)

> یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں بتادیجئے کہ میں ان کے بہت قریب ہوں۔

اِنَّ عِبَادِی: یعنی بے شک میرے بندے(۴۲/۱۵) قُل لِّعِبَادِی یعنی میرے بندوں سے کہہ دیجئے(۳۱/۱۴) یا عِبَادِ اے میرے بندو! آج تمہیں کوئی خوف نہیں اور نہ تم نے غمگین ہونا ہے (۶۸/۴۴) (ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسانوں کو ''میرے بندے'' فرما رہے ہیں تو یہ انس اور اپنائیت کی علامت ہے) اس لیے جب بندہ اللہ کی یہ مہربانی دیکھتاہے تو اسے اپنا دوست مانتاہے جب دوست مانا تو انس بھی لازمی ہو گا، دوست کی ہیبت تو بیگانہ ہونے کی دلیل ہوتی ہے جبکہ انس یگانگی کی علامت ہے، انسان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے منعم سے مانوس ہوتاہے توحق تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کتنی نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور ہمیں اس کی معرفت بھی حاصل ہوجاتی ہے، ایسے میں یہ محال ہے کہ ہم ہیبت کاذکر بھی کریں!''

> مسئلہ کی توضیح وتفہیم کے لیے اس پر مرشد لاہور کا تبصرہ بھی قابل قدر ہے فرماتے ہیں:
>
> ''اور میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں،کہتا ہوں کہ باوجود اختلاف کے یہ ہر دو گروہ اپنی اپنی جگہ درست ہیں وجہ یہ ہے کہ ''ہیبت'' کی قوت اختیار کا تعلق ''نفس'' سے، اس کی خواہش سے اور ''بشریت'' کو فنا کرنے سے ہے جبکہ ''انس'' کی قوت اختیار کا تعلق ''باطن'' اور معرفت کی پرورش اور نمو سے ہے، چنانچہ حق تعالیٰ اپنے جلال کی جلوہ نمائی سے اپنے دوستوں کو فانی بناتا ہے جبکہ اپنے جمال کی جلوہ نمائی سے ان کے باطن کو بقا عطا کرتا ہے، چنانچہ جو لوگ ''فنا والے'' ہوتے ہیں وہ ''ہیبت'' کو فضیلت دیتے ہیں لیکن جو لوگ ''بقا والے'' ہوتے ہیں وہ ''انس'' کو ترجیح دیتے ہیں!''(۴۸)

اگر آپ غور فرمائیں تو حضرت داتا صاحبؒ کے اس تبصرہ اور ان کے مرشد حضرت ابو الفضل ختلیؒ کے ارشاد میں کوئی بنیادی فرق یا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ظاہر بین نظر کو شاید دکھائی دے، ان کے مرشد حق تعالیٰ کی صفتِ جمال کو مقدم رکھتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک نعمتوں سے نوازنے والی ہستی سے قلب و روح ہیبت کی نسبت انس کو زیادہ پسند کرتے اورمانوس ہوتے ہیں، جبکہ حضرت داتا صاحب اہل انس اور اہل ہیبت دونوں کے موقف اور نقطہ نظر کی وضاحت فرما رہے ہیں، کسی کو کسی دوسرے پر ترجیح یا فضیلت دینے کی بات ہی نہیں کر رہے! زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتاہے کہ وہ اپنے مرشد کو بھی ان ہر دو گروہوں میں سے ایک گروہ میں شمار کرتے ہیں یعنی جو اہل انس یا جمال

ربانی کو جلال الٰہی پر مقدم جانتے ہیں، مرشد و مرید دونوں کے درمیان مغائرت یا اختلاف نہیں ہے بلکہ مرید تو ہر دو گروہوں کے موقف کی صرف وضاحت کر رہے ہیں اور ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ میں ان کے مرشد بھی شامل ہیں!

اہلِ تصوف و اربابِ طریقت کے ہاں مروج اصطلاحات میں سے ایک ''شُرب'' بھی ہے، عربی زبان میں شَربت کے معنی ہیں پینے کی کوئی چیز، عادی ہونا، ذوق پیدا کرنا اورمشروب یا شربت لیکن تصوف و طریقت کی دنیا میں ''شُرب'' کے بھی الگ اور خاص معنی ہیں ظاہر ہے کہ اہل علم وفن کے ہاں خاص معنی و مفہوم اداکرنے کے لیے عربی کے الفاظ کو خاص معنی دے دیے گئے جو اصطلاحی معنی کہلاتے ہیں، صوفیوں کی اصطلاح میں ''اطاعتِ خداوندی سے جو حلاوت یا مٹھاس محسوس ہوتی ہے''یا کرامت'' عطا ہونے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا ''انس'' نصیب ہونے میں جو راحت وتسکین ہے، یہ سب کچھ گروہ صوفیاء کے ہاں ''شرب'' کہلاتا ہے مثلاً بدن کے لیے پانی شُرب ہے یعنی پانی پینے سے بدن کوتسکین ملتی ہے اسی طرح دل کا ''شرب'' یہ ہے کہ اسے روحانی راحت و حلاوت حاصل ہو، حضرت داتا صاحبؒ اس ضمن میں اپنے مرشد و معلم حضرت ابوالفضل الختلی الشامی کا قول نقل کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ:

''**و شیخ من رضی اللہ عنہ گفتی: مرید و عارف باید از شرب ارادت و معرفت بیگانہ باشد**''(۴۹) یعنی مرید کو ارادتمندی کے شرب سے اور عارف باللہ کو معرفت کے شرب سے کوئی سروکار نہ ہو بلکہ بیگانہ ہو!'' گویا مرید کی ارادتمندی جب شرب کے تابع ہوگئی تو مرشد کے پاس ارادتمندی سے جانے میں کیا مشقت یا تکلیف اٹھانا پڑے گی؟ ارادتمندی اگر شرب یا شیریں نشہ بن گئی تو راہ مرشد میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں اور مرید ان کو سر کرکے اپنے مرشد کی زیارت سے جو خوشی پاتاہے وہ کہاں سے پائے گا؟ وہ تو پہلے ہی شرب ارادت یا ارادتمندی کے نشے میں آ رہا ہے اسی پر معرفت کے شرب سے متمتع ہونے والے ''عارف باللہ'' کے معاملہ کو بھی قیاس کر لیجیے، دوسرے لفظوں میں حضرت شیخ مرید کے ارشادات کے شر ب سے اور عارف کی معرفت کے شرب سے لطف اندوز ہونے کے حق میں نہیں ہیں، جو پہلے ہی نشے سے چور ہیں انہیں زیارت شیخ اور معرفت ربانی کی کیا حاجت، کیا خوب کہا اقبال نے:(۵۰)

نشہ پلا کر گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی!!

ارادت سے مقصود بالذات تو پیروی مرشد ہے نہ کہ محض ارادت، اسی طرح معرفت کی منزل مراد تو اللہ جل شانہ کی ذات پاک ہے نہ کہ صرف معرفت اس لیے جو وسیلے ہیں انہیں منزل سمجھ لینا کون سا کمال اور کون سی دانائی ہے، اس لیے مرید کو شرب ارادت سے اور عارف کو شرب معرفت سے بیگانہ ہی رہنا اچھا اور مفید ہے، جیسا کہ شیخ کے الفاظ ہیں اور جیسا کہ مرید نے انہیں کشف المحجوب میں نقل کر دیا ہے!!

''سماع'' بھی اہل تصوف کے ہاں ایک اصطلاح ہے، عربی کے اس لفظ کے لغوی معنی تو سننا اور سنانا ہیں مگر صوفیوں کے ہاں ''سماع'' بطور اصطلاح گانے، بجانے اور آواز بلند کرنے کے معنی میں ہے اور تقریباً قوالی اور موسیقی کے مترادف قرار پایا گیا ہے، دراصل صوفیوں کو جو چیز تلاش حق اور وصول اِلی اللہ میں ممد و معاون ہو اسے اپنا لیتے ہیں، تاہم اہل علم اور اہل تصوف کے درمیان اس باب میں وسیع اختلاف موجود ہے اور ہر گروہ کے پاس جواز اور عدم جواز کے دلائل بھی موجود ہیں، لیکن بات کا فیصلہ نتیجہ اور انجام سے ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کے متعلق فرمایا کہ، یہ بھی کلام کی ایک صنف ہے اور کلام یا بات اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی، یہی حال شعر اور موسیقی یا قوالی کا بھی ہے، اس لیے حضرت داتا صاحب نے اپنی کتاب میں سماع کے تمام پہلوؤں سے مفصل اور مدلل بحث فرمائی ہے، اس ضمن میں انہوں نے اپنے مرشد حضرت ختلیؒ کی رائے بھی نقل کی ہے بلکہ مرشد کے مرشد حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حصری رحمۃاللہ علیہ کی رائے بھی متصل قلمبند کی ہے، چنانچہ حضرت ختلیؒ کا فرمانا یہ ہے کہ :

> ''اور میرے شیخؒ نے فرمایا ہے کہ ''سماع'' توراہ وصل الٰہی کے پریشان لوگوں کے لیے زادراہ ہے مگر جسے وصل نصیب ہوگیا وہ سماع سے بے نیاز ہے'' گویا سماع پسماندہ لوگوں کے لیے زاد سفر ہے، جو منزل مراد کو پا گیا اسے سماع کی کوئی ضرورت نہیں ہے! کیونکہ منزل وصل میں سماع کا حکم منسوخ ہوتاہے کیونکہ سننے کی صلاحیت سمع تو خبر کے لیے مختص ہے اور خبر ہمیشہ غائب و غیر موجود کی ہوتی ہے، جب خود موجود ہو گیا تو سماع نابود ہو گیا!(۵۱)

اور امام حصری کا فرمانا ہے کہ ''میں سماع کو کیا کروں جو اس وقت منقطع ہوجاتا ہے جیسے ہی سنانے والے کی آواز منقطع ہوتی ہے! کیا کروں میں سماع کو جب قرائت کرنے والا قاری خاموش ہوتا ہے تو سماع بھی ختم ہو جاتا ہے؟ کیا کہوں میں؟! سماع کو سماع کے ساتھ مسلسل جڑا رہنا چاہیئے اور منقطع ہونا ہی نہیں چاہیئے! یہ علامت ہے اس بات کی کہ خیابان محبت میں عزم بہت بلند ہے، اگر

بندہ سماع میں اس درجہ کو پہنچ جائے کہ تمام عالم اسے سماع کا کام دینے لگے، کیا شجر کیا حجر کیا پتھر کیا گارا! یہ درجہ بلاشبہ بہت بلند ہے!'' مگر کم کم نصیب ہوتا ہے!

جس طرح مرشد لاہور شیخ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری رحمۃاللہ علیہ، عجائب الاوصاف مرد حق ہیں اسی طرح ان کی کشف المحجوب بھی صحیفہ غرائب المعلومات ہے، یہ الگ بات ہے کہ حضرت داتا پیر کی طرح ان کی یہ کتاب بھی مظلوم ہے، میں نے گزشتہ چھ سات ماہ صرف اس کتاب کی طباعت (ایڈیشنز) اور اس کے عربی، انگریزی، اردو اور پنجابی تراجم کی ورق گردانی میں صرف کر دیے ہیں مگر نہ تو کوئی تسلی بخش ترجمہ سامنے آیا اور نہ اغلاط سے پاک کوئی طبع یا ایڈیشن نظر آیا، بات یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث اور ان کے علوم تک کامل رسائی نہ رکھتا ہو، بیک وقت عربی اور فارسی پر کامل عبور سے محروم ہو، جسے داتا پیر سے پہلے کی کتب تصوف سے پوری واقفیت نہ ہو، جو اسلامی علوم خصوصاً فقہ، کلام، فلسفہ، منطق، تاریخ، جغرافیہ، سیر و تراجم کا وسیع علم نہ رکھتا ہو اور سب سے بڑھ کر وہ علم تصوف، کشف المحجوب اور اس کے مصنف سے پوری عقیدت نہ رکھتا ہو تو وہ اس کی طباعت یا ترجمہ کو ہاتھ نہ لگائے!

حضرت داتا صاحب کی کشف المحجوب کے غرائب المعلومات میں سے صحابہ کرام کے عہدمبارک سے لے کر اپنے زمانے تک کے اعلام علم و معرفت کے تراجم اور حالات بھی ہیں، ان اعلام اسلاف میں سے ایک حضرت حبیب راعی رحمۃاللہ علیہ بھی ہیں(۵۲) ان کے ترجمہ یا سوانح میں حضرت داتا صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں ایک ولی اللہ کی کہانی بھی ہے جو چرواہے کا کام کرتے رہے تھے، کسی صاحبِ نظر نے دیکھا کہ چرواہا عبادت و ذکر اللہ میں مصروف ہے اور ایک بھیڑیا ان کے ریوڑ کی حفاظت کر رہا ہے، تعجب سے اس کا راز پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سب کچھ پیروی سنت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کاانعام ہے، میں سنت نبویؐ کی پیروی میں ذکر خدا سے غافل نہیں ہوں اور خدانے میرے ریوڑ کی نگرانی پر بھیڑیئے کو لگا دیا ہے!

بزرگان سلف کی ایسی ہی کہانیوں میں سے ایک کہانی حضرت شیخ سعدیؒ نے بھی اپنی بوستان کی زینت بنائی ہے، اس میں بھی ایک مرد حق چیتے پر سوار میدان رودبار میں اچانک شیخ کے سامنے آجاتاہے، اور شیخ سے کہتا ہے (۵۳) کہ :

تبسم کناں دست برلب گرفت کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت
تو ہم گردن ازحکم داور مپیچ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ!

حضرت حبیب راعی رحمۃاللہ کے حالات ختم کرتے ہوئے حضرت داتا صاحب اپنے مرشد کا تذکرہ کرتے ہیں مگر بہ انداز دیگر، وہ فرماتے ہیں کہ میرے مرشدؒ اپنے پند و نصائح میں دیگر اولیاء کرام کے ساتھ ساتھ حضرت ابوحلیم حبیب بن سُلَیم الراعیؒ کی اور بھی بہت سی باتیں ہمیں بتایا کرتے تھے مگر سردست اس سے زیادہ میں کچھ نہیں لکھ سکتا کیونکہ میری تمام کتابیں غزنی میں رہ گئی تھیں اور میں یہاں دیار ہند میں ناجنس لوگوں میں ہوں‘ یہ ڈاکٹر محمود عابدی کے ایڈیشن سے تقریباً لفظی ترجمہ(۵۴) ہے مگر اس مقام پر بعض نسخوں میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ”میری کتابیں غزنی میں ہیں اور میں یہاں شہر لہاور(لہور، لہاوور، لاہور) میں جو ملتان کے مضافات میں واقع ہے، غیر جنس کے لوگوں میں گرفتار ہوں!“ یہ الفاظ الحاقی ہیں کیونکہ کشف المحجوب کے طہرانی ایڈیشن کے علاوہ دیگر معتبر مطبوعہ نسخوں میں بھی نہیں ہیں، اس قسم کے اضافے اور الحاقات خطی نسخوں میں ایک کھیل ہوتا تھا جو اکثر بدنیت اور بدخواہ لوگوں کا شیوہ تھا مگر بعض بدحواس عقیدت مند بھی ایسی جسارتوں کے مرتکب ہوتے تھے، مگر داتا پیر اپنے ہم وطن لاہوریوں کی یہ تحقیر نہیں فرما سکتے تھے کہ وہ ناجنس یا غیر جنس لوگ ہیں! کسی کی تحقیر اولیاء اللہ کی شان نہیں ہوتی اور پھر مرشد لاہور جیسا جلیل القدر عالم اور بلند اخلاق ولی تو بالکل نہیں کرے گا، کفر و شرک کے مارے ہندو تو داتا صاحبؒ کے لیے بیگانے یا ناجنس ہو سکتے تھے مگر وہ اپنی اس عظیم کتاب میں اپنے مسلمان لاہوریوں کے متعلق اس قسم کی بری یادگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

بات یوں ہے کہ داتا صاحب ایک کثیر الاسفار اور سیاحت پسند صوفی تھے، وہ اگر بلادِ عرب و عجم کے دور دراز خطوں کا سفر کر سکتے تھے تو قریب کے ہندوستان کی سیاحت میں کیا چیز مانع تھی، اسلام تو سندھ و ہند میں پہلی صدی ہجری ہی میں آ گیا تھا، دیبل، منصورہ اور اچ تو اسلام کی قلمرو میں شامل تھے، یہاں تو عرب سیاح، جغرافیہ نویس اور مؤرخ پہلے ہی ان علاقوں میں آتے رہتے تھے اور ان کے حالات بھی وہ ریکارڈ کر گئے ہیں، مرشد لاہور نے تو نہ صرف مفتوحہ اسلامی شہروں کی سیر کی بلکہ ہندوستان کے غیر مسلم علاقوں میں بھی ممکن ہے گئے ہوں کشف میں اس کے اشارات بکثرت ہیں اور ہمارا اگلا موضوع بھی داتا پیر کی سرزمین ہند میں تشریف آوری ہے ان شاء اللہ یہاں تو ملتان کے مضافات کا صاف ذکر ہے! سید ہجویر کا یہ ورود ہند غزنوی فتوحات کے زمانے کا بلکہ اس سے بھی پہلے کا ہو سکتا ہے، آخر ان کے ایک ہم وطن اور معاصر البیرونی نے بھی تو برہمنوں کی پوتھیوں میں سے براہ راست معلومات حاصل کر کے ”**ماللہند**“ عربی میں لکھی تھی بھلا حضرت داتا صاحبؒ جیسا عربی دان عالم اور صوفی البیرونی کی ان کتب سے دور کیسے رہ سکتا تھا؟

اس الحاقی عبارت کے بعض نسخوں میں ’’گرفتار ماندہ‘‘ بھی آیا ہے اس سے بعض لال بجھکڑ قسم کے محققین نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ داتا صاحب قیدی بنا لیے گئے تھے؟! بہرحال یہ سب باتیں تحقیق طلب ہیں اور ان پر ضرور کام ہونا چاہیے!!

حضرت داتا پیر علیہ الرحمہ نے شیخ ابوالفضل الختلی الشامیؒ کے علاوہ دیگر اہل علم و تصوف سے بھی استفادہ کیا تھا اور انہوں نے کشف المحجوب میں اس کا برملا اورصراحت کے ساتھ اعتراف بھی کیا ہے جیسے ابو القاسم گرکانی ابو العباس شقانی، المظفر حمدان اور ابوالقاسم قشیری وغیرہ، اور یہ مرشدِ لاہور کے بڑے پن اور عظمت کی دلیل ہے، ہم بھی ان شیوخ و اساتذہ پر قلم اٹھانے کا عزم رکھتے ہیں، ان شاء اللہ، لیکن حضرت ختلی نہ صرف استاذ و معلم تھے بلکہ حضرت داتا پیر کے شیخ و مرشد بھی تھے اس لیے یہ گفتگو صرف ان تک ہی محدود ہے اور وہ بھی صرف کشف المحجوب کی روشنی میں !!

حواشی و حوالہ جات

۱۔ کشف عابدی ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۲۔ ایضاً، تاریخ بغداد رقم ۵۹۷۔

۳۔ فوائد الفؤاد(فارسی طبع لاہور ص ۵۷، داتا صاحب ص ۱۴۸)۔

۴۔ خطیب بغدادی (رقم ۵۹۷)نے ختل ہی کے ایک عالم حدیث کا نام و نسب تو یہی لکھا ہے مگر کنیت ابوبکر لکھی ہے، شاید یہ کسی اشتباہ یا مغالطہ کا نتیجہ ہو؟

۵۔ سنہ ۴۴۰ھ حضرت ختلی اکتساب فیض کے لیے پیر میہنہ حضرت ابوسعید ابوالخیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت ’’زینِ اوَتاد و شیخ عُباد‘‘ (کشف عابدی ص۲۵۲) اسی ۸۰سال کے تھے، مگر پتہ چلا کہ پیرمیہنہ کا تو اسی سال وصال ہو چکا تھا، مفتی غلام سرور لاہوری نے نفحات الانس کے ایک مجہول الکاتب حاشیہ کی بنیاد پر شیخ ختلی کی وفات ۴۵۳ھ بتائی ہے اور ڈاکٹر عابدی نے اسی کو قریب قیاس مانا ہے، اگر یہ سب درست ہے تو پھر حضرت شیخ ختلی شامی کی پیدائش کا سال۳۷۳ھ بنتا ہے اور اگر ڈاکٹر عابدی کی یہ بات بھی مان لی جائے کہ اسی موقع پر سید ہجویر کی اپنے مرشد سے پہلی ملاقات اور تعارف بھی ہوا اور پھر پیری مریدی قائم ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت داتا صاحب کی حضرت ختلیؒ سے بیعت و رفاقت کو تقریباً صرف تیرہ سال ملے مگر ہمیں ڈاکٹر عابدی سے اس نقطہ پر اختلاف ہے!!

۶۔ علامہ محمد الخضری ۱/۱۱۳، پی۔ کے ہٹی ص ۵۵۲۔

۷۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۶۳، پروفیسر عبدالرشید ص ۷۔

۸۔ کلیات اقبال فارسی ص ۱۳۵۔

۹۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری ص ۲۴، داتا صاحب ص ۲۷۳۔

۱۰۔ القران الکریم (۱۶/۳۶، ۲۷/۶۹، ۲۹/۲۰)

۱۱۔ کلیات اقبال فارسی ص ۶۲۷۔

۱۲۔ حضرت ختلی کے عہد کا شام تو عظیم تر شام تھا جس میں آج کے شام سمیت، لبنان فلسطین (بشمول اسرائیل) اور اردن بھی شامل تھے!

۱۳۔ کشف عابدی ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ایضاً ص ۲۸۲۔

۱۶۔ ایضاً ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۱۷۔ ایضاً ۵۰۷۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ ایضاً ص ۷۷، القرآن الکریم (۲/۱۸۶)۔

۲۱۔ القرآن الکریم (۱۸/۱۰۴)۔

۲۲۔ الخضری ۱/۳۰۲، الکامل فی التاریخ ۷/۶۱۵، ہٹی ص ۳۱۳۔

۲۳۔ کشف عابدی ص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۲۴۔ ایضاً۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ ایضاً ص ۲۵۳۔

۲۸۔ القرآن الکریم (۴۰/۵۱)۔

۲۹۔ کشف عابدی ص ۲۵۳۔

۳۰۔ ایضاً ص ۳۵۰، القرآن الکریم (۴۰/۵۱)۔

۳۱۔ القرآن الکریم (۱۰/۶۲)۔

۳۲۔ کشف عابدی ص ۳۴۱۔

۳۳۔ ایضاً ص ۳۳۳، القرآن الکریم (۶۵/۳)۔

۳۴۔ ایضاً ص ۲۸۳، ۲۸۶، ۳۳۶، ۳۶۲، ۳۶۹۔

۳۵۔ ایضاً۔

۳۶۔ ایضاً۔

۳۷۔ ایضاً۔

۳۸۔ ایضاًص ۳۵۵، نذر نصیر گیلانی، ص ۲۱۲۔

۳۹۔ کشف عابدی ۵۵۳۔

۴۰۔ ایضاًص ۵۴۹۔

۴۱۔ ایضاًص ۲۵۲۔۲۵۳۔

۴۲۔ ایضاًص ۵۴۹۔۵۵۰۔

۴۳۔ ایضاًص ۵۵۰۔

۴۴۔ ایضاً ص ۳۱۳۔

۴۵۔ ایضاً ص ۵۲۱۔

۴۶۔ ایضاً ص ۵۵۰۔

۴۷۔ القرآن الکریم(۲/۱۸۶)۔

۴۸۔ کشف عابدی ص ۵۵۱،۵۶۸.

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ کلیات اقبال اُردو ص ۲۴۳۔

۵۱۔ کشف عابدی ص ۵۷۱۔۵۷۹۔

۵۲۔ ایضاً ص ۱۳۹۔

۵۳۔ بوستان ص ۱۱۳۔

۵۴۔ کشف عابدی ص ۱۳۹

☆☆☆☆☆